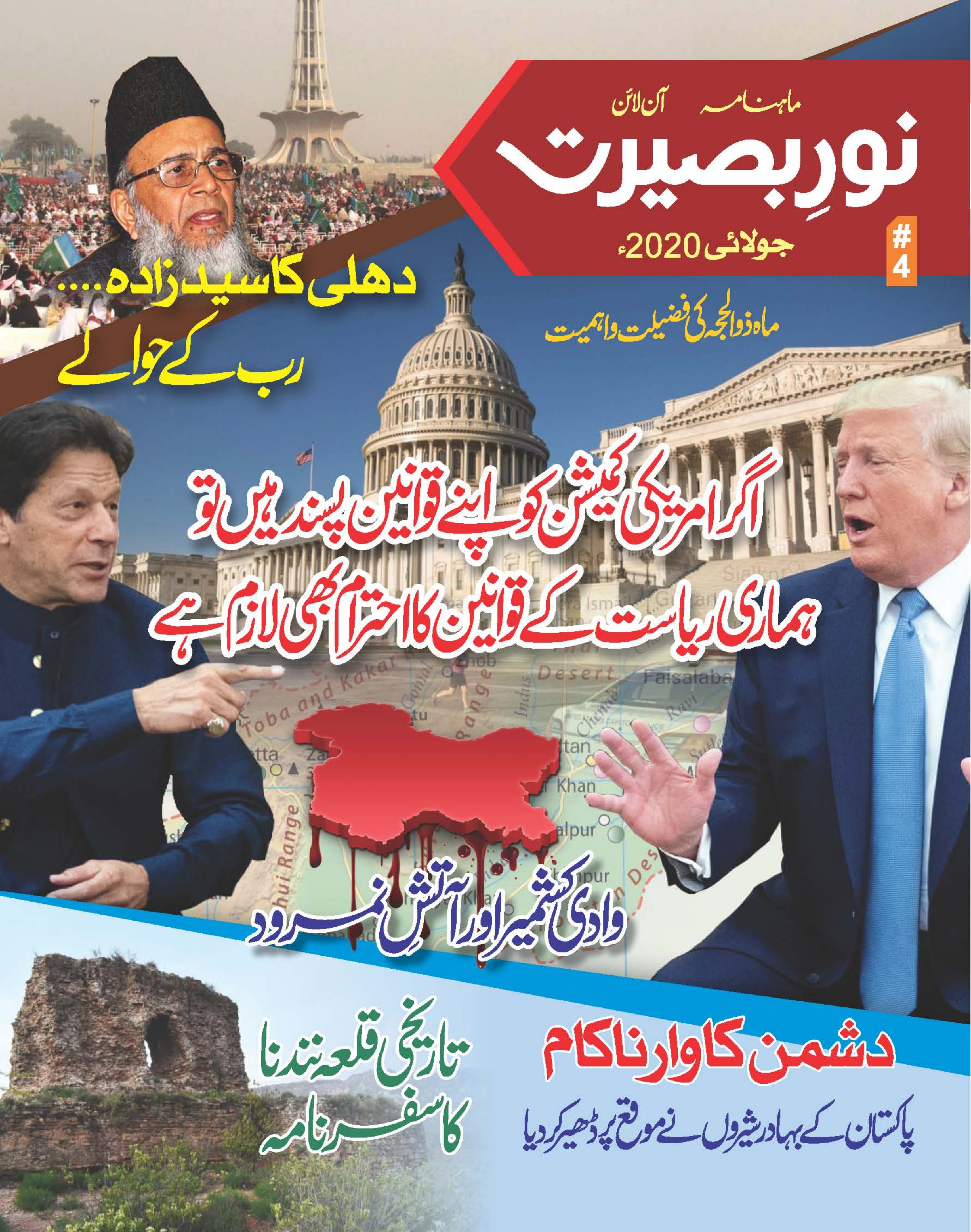

ماہنامہ آن لائن
نورِ بصیرت
4
جولائی 2020ء
دھلی کا سید زادہ....
رب کے حوالے
ماہ ذوالحجہ کی فضیلت واہمیت
اگر امریکی کمیشن کو اپنے قوانین پسند ہیں تو
ہماری ریاست کے قوانین کا احترام بھی لازم ہے
وادی کشمیر اور آتشِ نمرود
تاریخی قلعہ نندنا
کا سفر نامہ
دشمن کا وار ناکام
پاکستان کے بہادر شیروں نے موقع پر ڈھیر کر دیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

ماہنامہ آن لائن

نورِ بصیرت

جولائی 2020ء

آئینہ میگزین

اپنی تحاریر کی اشاعت، آراء وتجاویز ہمیں درج ذیل رابطہ نمبر پر واٹس ایپ کریں... 0321-7996584 0312-8495335

pakbloggerforum@gmail.com



اداریہ

دشمن کا وار ناکام

پاکستان کے بہادر شیروں نے موقع پر ڈھیر کر دیا

پاکستان کی دو عظیم شخصیات سید منور حسن اور طارق عزیز اب ہم میں نہیں رہے۔

اگر امریکی کمیشن کو اپنے قوانین پسند ہیں تو ہماری ریاست کے قوانین کا احترام بھی لازم ہے۔

پاکستان اس وقت چاروں طرف سے مشکل ترین حالات کا سامنا کر رہا ہے۔ دشمن کسی نا کسی طریقے اس ملک کو پر امن نہیں دیکھنا چاہتا۔ رواں ماہ کراچی اسٹاک ایکسچینج کی عمارت پر شر پسند عناصر نے حملہ کیا لیکن انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ پاکستان کے دفاعی اداروں نے اس حملے کو ناکام بنایا۔ ہم ان سب ہیروز کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور شہیدوں کے لیے دعا گو ہیں اللہ ان کی قربانی کو قبول فرمائے آمین۔

اسی طرح رواں ماہ پاکستان کی جانی پہچانی شخصیات اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ ایک پاکستان کے نامور ٹی وی پروگرام کے میزبان طارق عزیز اور دوسری شخصیت سابق امیر جماعت اسلامی سید منور حسن اپنے کارکنان کو خیر آباد کہہ گئے۔ سید منور حسن دینی رجحان رکھنے والوں لوگوں کے لئے آئیڈیل تھے۔ انہوں نے دفاع پاکستان، اسلام، سیاست ہر میدان میں اپنا لوہا منوایا اور حقیقی معنوں میں لیڈر بن کر دکھایا یہی وجہ ہے ان کی رحلت پر ہر شخص اشکبار ہے۔

امریکی کمیشن برائے بین الاقوامی مذہبی آزادی (یو ایس سی آئی آر ایف) نے 28 اپریل 2020 کو اپنی سالانہ رپورٹ جاری کی۔ رپورٹ کے پاکستان چیپٹر کے مطابق کمیشن کے پاکستان میں مذہبی آزادی بارے اقدامات پر ردعمل ملا جلا تھا۔ گزشتہ سالوں کے مقابل 2019 اور مابعد حالات پر کافی تسلی بخش رائے کا اظہار کیا گیا۔ جبکہ کچھ اہم نکات ابھی توجہ طلب اور جلد حل کے متقاضی ہیں۔

اس سالانہ رپورٹ کے بعد گزشتہ منگل 16 جون کو واشنگٹن میں جاری ہونے والی ایک نئی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگر پاکستان چاہتا ہے کہ اسے ان ممالک کی فہرست سے نکال دیا جائے جہاں مذہبی آزادی کو خطرہ لاحق ہے تو پاکستان کو امریکی حکومت کے ساتھ ایک نیا معاہدہ کرنا چاہیے جس کے تحت پاکستان میں توہین رسالت کے تمام قوانین کے خاتمے یا ان پر نظرثانی کرنے کی یقین دہانی کروائے گا۔ اور شہریت کی شناختی دستاویزات اور نادرا شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کو بھی ختم کیا جائے۔

سال 2002 سے کمیشن ہر سال پاکستان کو Country of Particular Concern یا سی پی سی کی لسٹ میں شامل کرنے کی سفارش کرتا آ رہا ہے تاہم امریکی محکمہ خارجہ (سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ) نے پہلی بار پاکستان کو 2018 کو اس فہرست میں شامل کیا۔

کمیشن نے کہا ہے کہ اگرچہ اس نے اپنی اس سال کی رپورٹ میں پاکستان کو ان ممالک کی فہرست میں شامل کرنے کی سفارش کی تھی جہاں مذہبی

آزادی کے حوالے سے واشنگٹن کو خاص تشویش ہے، تاہم کمیشن نے دیکھا ہے کہ پاکستان نے اس دوران مذہبی اقلیتوں کے حوالیسے کئی مثبت اقدامات بھی اٹھائے ہیں۔

کمیشن نے خاص طور پر سپریم کورٹ کی جانب سے مسیحی خاتون آسیہ بی بی کی رہائی، وجیہہ الحسن کیس، سیالکوٹ میں شوالہ تیجا سنگھ مندر کو ہندوؤں اور کرتارپور راہداری کو سکھ برادری کے لیے کھولنے اور سپریم کورٹ کی حمایت یافتہ قومی کمیشن برائے اقلیت کے قیام کو سراہا۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے: 'خارجہ پالیسی سے متعلق سفارشات کی روشنی میں کمیشن یہ سفارش کرتا ہے کہ عالمی مذہبی آزادی ایکٹ (ایفرا) کے تحت پاکستان اور امریکہ ایک ایسا معاہدہ کریں جس کے تحت حکومت پاکستان کو ایسے معنی خیز اقدامات اٹھانے کو کہا جائے جس سے مذہبی اقلیتوں کی حالت بہتر ہو۔ اس دوطرفہ معاہدے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے حالات بہتر بنانے میں مدد ملے گی اور خود پاکستان کو سی پی سی سے نکلنے کا راستہ واضح طور پر معلوم ہوگا۔

کمیشن نے پاکستان سیسی پی سی سے نکلنے کے لیے کئی قلیل مدتی، درمیانی مدت اور طویل مدتی اقدامات کا مطالبہ کیا ہے۔

اس خصوصی رپورٹ میں مطالبہ کیے گئے اقدامات کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں بنیادی طور پر دو باتیں ہی سامنے آتی ہیں۔ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے حوالے سے قادیانی مذہب کے پیروکاروں کی بات کی گئی ہے اور وہ خود کو غیر مسلم ماننے کو تیار ہی نہیں جبکہ آئین پاکستان ان کو واضح طور پر اقلیت قرار دیتا ہے۔ جب کہ رپورٹ میں یہ اصرار بھی کیا گیا ہے کہ اگر وہ خود کو مسلم قرار دیں تو ان کو روکنا یا اس عمل کو قابل تعزیر قرار دینا غلط ہے۔

شاید اس رپورٹ کا ہی اثر ہے کہ پاکستان کی وزارت سائنس وٹیکنالوجی کے استقبالیہ پر نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام (قادیانی) کی تصویر لگا دی گئی ہے۔ ایک آزاد ریاست کا شہری ہونے کے ناطے ارباب اختیار سے استدعا ہے کہ اپنی سالمیت اور خودمختاری پر سمجھوتہ نہ کیا جائے۔ اگر کمیشن کو اپنے قوانین پسند ہیں تو ہماری ریاست کے قوانین کا احترام بھی لازم ہے۔ اور بالخصوص قادیانی گروہ کے حوالے سے مسئلہ کو الجھایا نہ جائے۔ قادیانی اگر پاکستان کے آئین کی رو سے مسلمان کی تعریف میں داخل نہیں ہیں تو بلا وجہ کیوں قانون کی دھجیاں اڑاتے ہیں۔ ریاست کا دیا ہوا درجہ قبول کریں اور بغاوت نہ کریں۔

دوسرا اہم نکتہ جو اس رپورٹ میں پوری شد و مد سے اٹھایا گیا وہ قانون توہین رسالت کے حوالے سے ہے اور اس قانون کو بھی انسانی حقوق کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ شخصی آزادی یا آزادی اظہار رائے کسی دوسرے کی دل آزاری کی اجازت ہرگز نہیں دیتی بلکہ یہ ایک قبیح حرکت ہے۔ سوشل میڈیا سائٹس پر بھی لوگ offensive میٹیریل کو رپورٹ کرتے ہیں اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ انسانی فطرت جس چیز کو ناپسند کرتے اس کا احترام کیا جاتا ہے۔ ریاست کا قانون جس چیز کی مخالفت کرے اس کا احترام بھی سر آنکھوں پر۔ تو ایک ایسا عمل جو ریاست پاکستان میں آئینی حیثیت رکھتا ہے کیا اسے صرف اس لیے رد کر دیا جائے کہ یہ مسلمانوں کے ایمان کی علامت ہے؟ یہ دو رنگی نہ تو انسانی حقوق کی منطق سے سمجھ آتی ہے اور نہ رواداری کے کسی تقاضے کی رو سے۔

لہٰذا کمیشن کی رپورٹ کو قانون کا درجہ نہ دیا جائے بلکہ اپنی قومی و ملی امنگوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس رپورٹ کا جائزہ لیا جائے، قابل قبول امور کو اختیار کیا جائے اور ریاستی رٹ کو چیلنج کرنے والے امور کی طرف التفات نہ کیا جائے۔

آخری بات یہ کہ پاک بلاگرز فورم کا ماہانہ جریدہ چند وجوہات کی بناء پر تعطل کا شکار تھا۔ اب ساتھیوں کے پرزور اصرار پر اس کو دوبارہ شروع کیا جارہا ہے۔ امید ہے آپ کو سرورق سے لیکر آخر تک رسالہ پسند آیا ہوگا۔ ہمیں آپ کی آراء وتجاویز کا انتظار رہے گا۔ اور ہم اپنی تمام ٹیم کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کے تعاون سے رسالہ کو پھر سے جاری کیا جارہا ہے۔







ماہ ذوالحجہ فضیلت واہمیت

ابوھریرہ عاشق علی بخاری

ذوالحجہ اسلامی مہینوں میں آخری مہینہ ہے جس پر سال کا اختتام ہوتا ہے. فریضہ حج کی ادائیگی کی وجہ اس ماہ مبارک کو ذوالحجہ یعنی حج والا مہینہ کہا جاتا ہے. اگرچہ تمام دن اور مہینے اللہ تعالی کے پیدا کردہ ہیں لیکن کچھ ایام اور اوقات کو اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیے خاص کر دیا ہے. تاکہ مسلمان ان ایام میں اپنی عبادات کے ذریعے اتفاق واتحاد کا عملاً مظاہرہ پیش کرسکیں.

ذوالحجہ کی پہلی فضیلت اس مہینے میں حج کی ادائیگی ہے، جو ابراہیم اور ان کی اولاد کی سنت مبارکہ ہے جنہوں نے اللہ تعالی کا گھر تعمیر کیا. بیت اللہ کی تعمیر اور ابراہیم علیہ السلام وآل ابراہیم کی اطاعت گزاری اللہ تعالی کو اس قدر پسند آئی کہ رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے اسے فریضہ بنا دیا گیا، یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا سے لوگ حج بیت اللہ کے لیے کھنچے چلے آتے ہیں.

ذوالحجہ کی دوسری فضیلت اس کا ماہ حرمت والا ہونا ہے. جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے میں کسی بھی قسم کی ظلم وزیادتی حرام ہے، بارہ مہینوں میں سے حرمت والے کل چار مہینے ہیں. جن میں تین ایک ساتھ ہیں "ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم" یہ تینوں مہینے اس لیے مسلسل ہیں تاکہ حاجی لوگ حج کے دوران اور حج کو آتے اور واپس جاتے ہوئے پرامن حالت میں رہیں. چوتھا مہینہ رجب یہ سال کا درمیانہ مہینہ ہے جب لوگ عموماً عمرے کے لیے آیا کرتے تھے.

اس ماہِ مبارک کو ایک بڑی فضیلت یہ بھی حاصل ہے کہ اس کے ابتدائی دس دنوں کو بڑی عظمت عطا کی گئی ہے.

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں کے مقابلے میں دوسرے کوئی ایام ایسے نہیں جن میں کی گئی عبادت اللہ تعالی کو ان دنوں سے زیادہ محبوب ہو.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ان دنوں میں خاص عبادات کا اہتمام کرتے، روزے، تکبیرات اور تلاوت کلام پاک کے ذریعے ان دنوں کی فضیلت حاصل کرنے کی کوشش کرتے. ہمیں بھی ان دنوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے.

اس مہینے کو باقی مہینوں کے مقابلے میں یہ شرف بھی حاصل ہے کہ یہ اسلام کے مکمل ہونے کا مہینہ ہے، اس ماہ مبارکہ کی نو تاریخ کو عرفات کے میدان میں سورۃ المائدہ کی آیت نمبر تین نازل ہوئی، جس میں اس بات کا اعلان کیا گیا کہ آج کے دن ہم نے دین اسلام کو مکمل کر دیا ہے. یہودی تمنا کیا کرتے تھے کہ اگر یہ آیات ہمارے دین میں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے.

اس کے علاوہ اگر دیکھیں تو اور بھی فضیلتیں اس مہینے کو حاصل ہیں،

جیسے عیدالاضحیٰ کا دن، جسے یوم النحر بھی کہا جاتا ہے. اس دن مسلمان خون بہا کر اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرتے ہیں.

اسی مہینے میں ایک دن "عرفہ" کا دن ہے، جس دن حاجی عرفات میں ٹھہرتے ہیں. یہ دن بھی بڑی فضیلت والا دن ہے. اس دن کا روزہ دو سال کے گناہ معاف کروانے کا ذریعہ ہے. اس دن اللہ تعالی لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اور یہی وہ دن ہے جب شیطان اپنے سر میں مٹی ڈالتا ہے. اس وجہ سے کہ آج لوگوں کے نام جنت لکھی جارہی ہے.

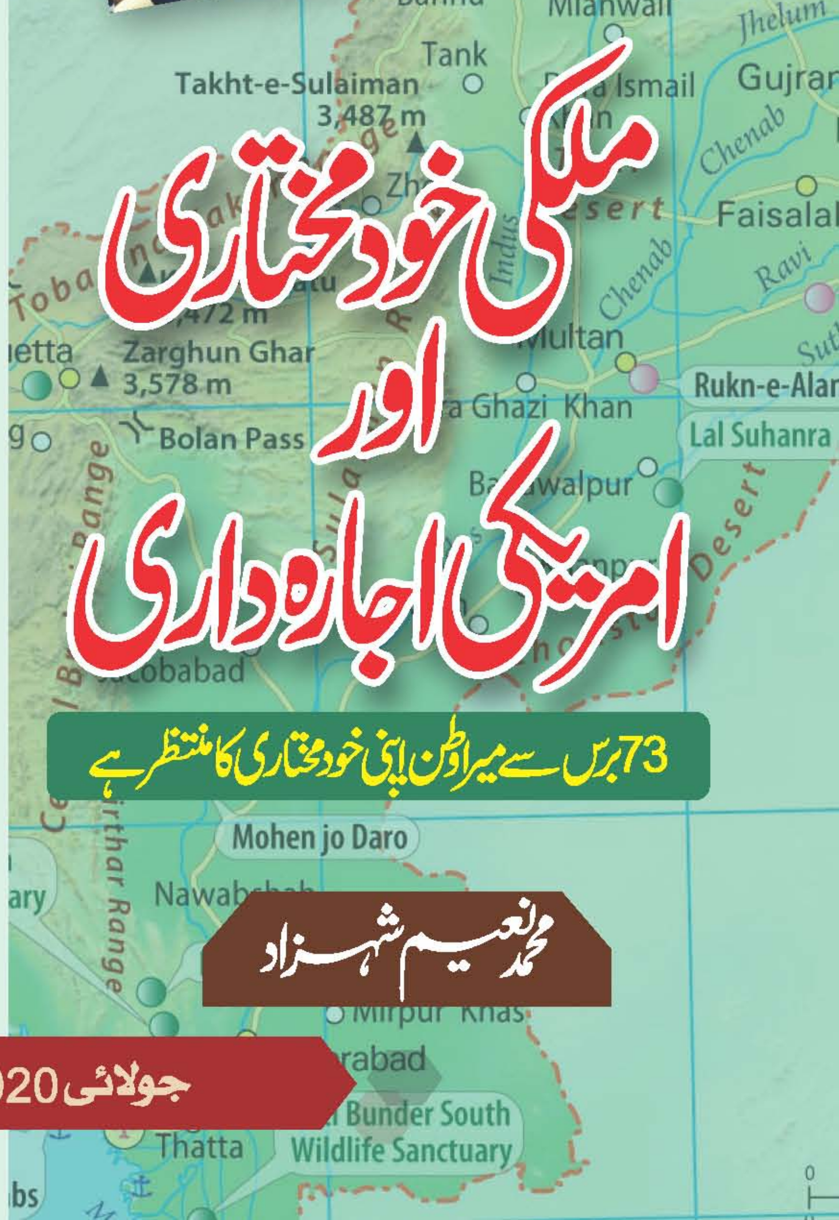
ہمیں بھی چاہیے کہ ہم لوگوں کی امپورٹ کی ہوئی رسموں، عبادتوں سے بچ کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر چلیں جو سیدھا رب کی رضا اور جنت کا راستہ ہے



ملکی خود مختاری اور امریکی اجارہ داری

73 برس سے میرا وطن اپنی خود مختاری کا منتظر ہے

محمد نعیم شہزاد



"**شرافت** کا زمانہ ہی نہیں ہے"

اور "ہم شریف کیا ہوئے پوری دنیا ہی بدمعاش ہوگئی"

زبان زد عام یہ چھوٹے سے دو فقرے اپنے اندر بڑے پتے کی بات رکھتے ہیں۔ مشاہدے سے یہ بات اب تو مستقل قانون کی شکل اختیار کر چکی ہے اور دستور حیات ایسے ہی چلا کرتا ہے۔ اسی شرافت کے ہاتھوں مسلم کمیونٹی کو دنیا بھر میں دو طرح کی صورتحال کا سامنا ہے۔ جہاں یہ کمزور ہیں جیسے فلسطین، کشمیر، عراق اور شام وغیرہ وہاں کوئی ان کی سنتا نہیں اور جہاں مسلم ریاست قائم ہے جیسے پاکستان، سعودی عرب وغیرہ وہاں انھیں بولنے نہیں دیا جاتا۔ اور مسلم ریاستیں اسی شرافت کے زعم میں سب کچھ برداشت کرتی ہیں۔ ستم در ستم کہ ان کی اس شرافت کو کبھی اچھی نظر سے بھی نہیں دیکھا گیا اور "ڈو مور" کے مطالبات بدستور جاری رہتے ہیں۔ تو ہوش کے ناخن لیں اور ایسی شرافت کے بغیر ہی بھلے کی پالیسی اپنائیں۔

17 جون بروز بدھ امریکی صدر نے اویغور مسلم کمیونٹی کے حوالے سے چین پر پابندی عائد کرنے نے

ایک بل پر دستخط کئے ہیں جس پر اگلے ہی دن چین کے حکومتی ترجمان نے اعتراض کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ایسا کرنا چین کے مفاد میں نہیں ہے۔ مزید ان کا کہنا ہے کہ اگر امریکہ پابندی عائد کرتا ہے تو چین اس کی بھرپور مخالفت کرے گا اور اس کے نتائج امریکہ کو ہی بھگتنا پڑیں گے۔

قطعہ نظر اس بات کے کہ اویغور مسلم کمیونٹی بارے امریکہ اور چین میں سے کس کا مؤقف زیادہ درست ہے ہم اس بات پر غور کریں کہ چین کو جو بات اپنے مفاد کے خلاف نظر آئی اس پر فوراً ردعمل ظاہر کر دیا۔ زندہ قومیت کی یہی دلیل ہے کہ وہ اپنے قومی مفادات کی راہ میں حائل کسی رکاوٹ کو برداشت نہیں کرتیں اور اپنے قومی مفاد کو ہر حال میں مقدم رکھتی ہیں۔

عالمی قوانین اور ذاتی خودمختاری کی حدود کا تحفظ کرتے ہوئے اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا اور اپنے خلاف ہونے والی سازشوں اور پروپیگنڈہ پر احتجاج اور اس کو کاؤنٹر کرنا بالکل درست اور متناسب عمل ہے۔ اس سلسلے میں خوامخواہ کی ایکسٹرا شرافت اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے سوا اور کچھ معنی نہیں رکھتی۔ اپنی خودمختاری کو داؤ پر لگا کر کچھ فائدہ حاصل کرنا کسی طور دانشمندی نہیں کہلا سکتا۔

گزشتہ برس 17 جولائی 2019 کو عبدالشکور قادیانی چشمے والے کی ٹرمپ

سے ہونے والی ملاقات کا شاخسانہ یو ایس سی آئی آر کی 2020 کی رپورٹ میں واضح طور پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ امریکی کمیشن کی قادیانیوں کے لیے شناختی کارڈ میں مذہب ظاہر کرنے پر تشویش اور پاکستان میں قانون ناموس رسالت کے خاتمے کی کوشش ایک سنگین سازش ہے۔ جس کا واضح مقصد اسلام کا ہومیوپیتھک ماڈل تخلیق کرنا ہے۔ اس ملاقات پر پاکستانی قوم کی تشویش بجا تھی اور پاکستانیوں کو ایسا کوئی ماڈل قبول نہ ہونے کی واضح دلیل اور علامت بھی۔ تاہم 27 ستمبر 2019 کو وزیر اعظم نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ایک شاندار اور پر جوش



تقریر کر کے پاکستانیوں کے جذبات کو تسکین پہنچائی۔

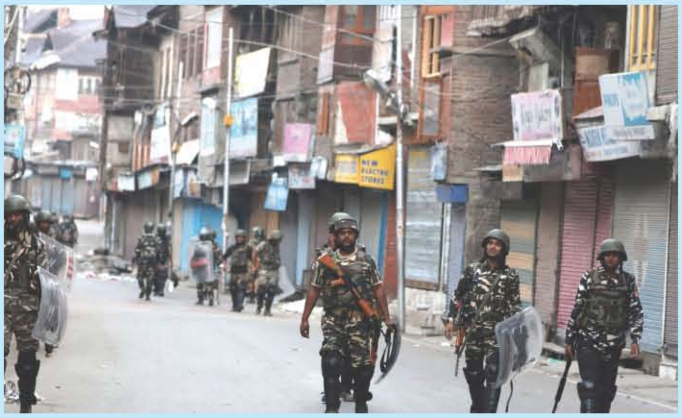
حالات و واقعات متقاضی ہیں کہ حکومت پاکستان بھی یو ایس سی آئی آر کی رپورٹ 2020 پر اپنا واضح احتجاج ریکارڈ کروائے اور آئین پاکستان کے خلاف کسی بھی کمیشن کی رپورٹ کو مسترد کرتے ہوئے اپنی خودمختاری کا دفاع کرے۔ اسلام بین المذاہب رواداری کا درس دیتا ہے مگر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اس کی جڑوں کو کھوکھلا کیا جائے اور ایک علامتی مذہب کی صورت پیش کیا جائے۔

دوسری طرف ریاست پاکستان انسداد دہشت گردی کے ضمن میں عام محب وطن شہریوں کو پابند سلاسل کر رہی ہے۔ اور اس کے پیچھے بھی بیرونی دباؤ کارفرما ہے۔ 73 برس سے میرا وطن اپنی خودمختاری کا منتظر ہے۔ خدارا ایسی پالیسیاں اپنائیے جو پاکستان کے آئین و قانون اور اس کی خودمختاری کی پاسداری کریں ورنہ سابقہ عوامی لیڈروں کا جو حال ہوا آپ کے سامنے ہے۔ خودمختاری ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ خودمختاری کی قیمت پر ملنے والی ترقی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ قومی سالمیت اور خودمختاری ہی اولین نصب العین ہونا چاہیے اور اسی کی بنیاد پر حاصل ہونے والے ثمرات اصل میں ترقی کہلانے کے لائق ہیں۔

بقیہ: وادی کشمیر اور آتشِ نمرود

وجہ سے پاکستانی پرچم جلانے پر آ جاتے ہیں، مردہ باد کے نعرے لگانا شروع کر دیتے ہیں اور سوشل میڈیا اور اردگرد کی ساری فضا میں ڈھکے چھپے الفاظ میں گالیوں کے پھول بکھیر دیتے ہیں لیکن جو نہ تو پاکستان کا کھاتے ہیں، نہ ہی کسی معاہدے کے پابند ہیں وہ اس قدر درد سہنے کے باوجود اس درد کو پاکستان کے ساتھ نہیں جوڑتے... پاکستانی پرچم جلا کر ہندو ریاست کے ساتھ وفاداری ثابت نہیں کرتے... پاکستان کے خلاف طنزیہ پوسٹیں اور طنزیہ کمنٹس کر کے مشہور ہونے کی کوشش نہیں کرتے ۔

اللہ تحریک آزادی کے لیے کوشش کرنے والوں کو اور ان کی کوششوں کو جانتا ہے اور جو لوگ اس جدوجہد میں دانستہ و نادانستہ طریقے سے رکاوٹ ڈال رہے ہیں اللہ انہیں اور ان کی کوششوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ بس یہی دعا ہے کہ اللہ سب کو ان کی کوششوں کے مطابق اجر عطا فرمائے ۔



کاشمیر کی آزادی کب ہے ... کتنی قریب ہے اس سوال کا جواب جاننے کی پاداش میں کتنی آنکھیں نکال دی گئیں کتنے جسم بھون دیئے گئے لیکن مائیں آج بھی دودھ پیتے بچوں کو آزادی کا ہی سبق پڑھاتی ہیں. زمینی حقائق جو بھی ہوں لیکن ایمان یہی ہے کہ جب حالات ایسے ہوں کہ اونٹ کو چرانے والا عبدالمطلب بیت اللہ پر چڑھائی کرنے والے ہاتھیوں کو نہ روک سکے تو اللہ تعالیٰ ابابیل بھیجتا ہے اور جب اللہ کا رسول رو رو کر اللہ سے منت اور دعا کرے کہ اگر یہ پیدل اور غیر مسلح تین سو تیرہ افراد دنیا سے مٹ گئے تو تیرا نام لینے والا دنیا میں کوئی نہیں بچے گا تو تب اللہ تعالیٰ تلواروں نیزوں والے مشرکین کے خلاف مسلمانوں کی مدد کے لیے نظر نہ آنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔



ہواؤں نے رُخ موڑ لیا

ایمان کشمیری

آج کل وادیٔ کشمیر کے علاقہ لداخ میں بھارت اور چین کے درمیان کافی کشیدگی چل رہی ہے، ایسی صورتِ حال سے بھارت بہت پریشان لگ رہا ہے۔۔ یہی وہ بھارت ہے جو ہر وقت پاکستان سے جنگ کیلیے بے چین رہتا تھا، کئی بار



لائن آف کنٹرول پر جنگ چھیڑنے کی کوشش بھی کی گئی۔۔۔ دوسری طرف بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں قتل وغارت گری کا جو بازار گرم کیا ہوا ہے وہ بھی دُنیا کی نظروں سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔۔۔ امریکہ کے کہنے پر چل کر اب بھارت ایک بڑی مشکل میں پھنس چکا ہے، جہاں سے واپسی کا کوئی رستہ نہیں نکلتا۔۔۔ امریکہ تو چاہتا ہی یہی ہے کہ کسی طرح پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی بڑھے اور نوبت جنگ تک پہنچ جائے، ایٹمی ہتھیار استعمال کیے جائیں، اربوں لوگوں کی جانیں ضائع ہوجائیں، اِن سب سے امریکہ کو کوئی سروکار نہیں وہ صرف دُنیا کی نظروں کا رُخ اپنی طرف سے ہٹا کر پاکستان اور بھارت کی جنگ کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہے تاکہ افغانستان سے اپنے اوپر شکست کا بدنما داغ لگے بغیر نکل جائے۔۔۔ بھارت کو اسرائیل کی حمایت درکار ہے اِس لیے وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح پاکستان کھلی جنگ کی طرف آجائے اور وہ اسرائیل کی مدد سے پاکستان کا نام ونشان دُنیا کے نقشے سے مٹادے (جو کہ ناممکن ہے، دُنیا کی کوئی بھی طاقت پاکستان کو نہیں مٹا سکتی اگر کسی نے ایسی احمقانہ کوشش کی تو وہ خود صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔۔۔ ان شاءاللہ) اسرائیل تو ویسے ہی پاکستان کا کھلا دشمن ہے جو ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح پاکستان کو ختم کردے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ پوری دُنیا میں اُس کیلیے اگر کوئی خطرے کا باعث ہے تو وہ ملکِ پاکستان ہے۔۔۔ بھارت نے پچھلے ستر سالوں سے مقبوضہ کشمیر پر جبری تسلط قائم رکھا ہے مگر پچھلے چھ مہینوں سے جو سلسلے چل نکلے ہیں اُس کی کڑیاں اوپر بیان کی گئی امریکہ اور اسرائیل کی سازشوں سے جا ملتی ہیں۔۔۔ پاکستان اپنے دشمنوں کی سب سازشوں کو بھانپ چکا ہے اور حکمت عملی کی راہ اختیار کیے ہوئے ہے، وہ جانتا ہے کہ جنگ دونوں ملکوں کی بربادی ہے اِس لیے ایسا کوئی قدم نہیں اُٹھایا جس سے بھارت کو موقع ملتا۔۔۔ امریکہ یہی سمجھتا رہا کہ اُس کی سازشوں سے متعلق پاکستان، کشمیر، چین اور نیپال بیخبر رہیں گے لیکن اب یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ امریکہ جیسا بڑا شیطان کوئی دوسرا نہیں ہے۔۔۔ اب آتے ہیں کشمیر اور بھارت کے معاملے کی طرف۔۔۔ بھارت کشمیر میں جو گھناؤنا کھیل کھیل رہا ہے اُس کی بنا پر دُنیا نے بھارت کا مکروہ چہرہ اچھی طرح پہچان لیا ہے، کشمیری ظلم وستم سہتے ہوئے بھی اپنے مقصد کی طرف رواں دواں ہیں۔۔۔ بھارت اسی کشمیر کی وجہ سے ایک بند گلی میں داخل ہو چکا ہے، جہاں سے نکلنا اُس کے لیے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔۔۔ اب بھارت کسی کو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پاکستان، کشمیر، چین اور نیپال سے بچاؤ، بھارت ایک ساتھ کئی مصیبتوں سے دوچار ہے جو اُس کی خود کی کمائی ہوئی ہیں۔۔۔

بچا کوئی مکافاتِ عمل سے
وہی کاٹے گا جو بوتا رہے گا

بنگلہ دیش نے بھی مطالبہ کر دیا ہے کہ بھارت کے زیرِ تسلط ویسٹ بنگال اصل میں اُن کا حصہ ہے دوسری طرف بھارت کا اپنے بالکل ساتھ واقع نیپال کے ساتھ بھی اختلاف شروع ہو چکا ہے۔۔۔ بھارت کو ہمیشہ سے یہی خوش فہمی تھی کہ میری مدد کو امریکہ اور اسرائیل آئے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔۔۔ کشمیر جو کہ گھنے جنگلوں اور پہاڑوں پر مشتمل وادی ہے، یہ گوریلا جنگ کیلیے بے حد موزوں ہے جس سے بھارت کو اُس کی سوچ سے بھی زیادہ نقصان ہوسکتا ہے، اِسی لیے اب بھارت شدید غم وغصے کا شکار ہے، جنگ اُس کی بربادی کا باعث ہے مگر کم عقل مودی پھر بھی جنگ چاہتا ہے حالانکہ جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں ہے، اِس سے صرف جانوں کا ضیاع ہوتا ہے۔۔۔۔۔



(مسز ناصر ہاشمی)
بنت ربانی

کرونا اور توبہ النصوح

کرونا۔۔۔کرونا۔۔۔کرونا یہ بھیانک لفظ لاکھوں بلکہ کروڑوں لوگوں کے دل و دماغ پر خوفناک انداز میں چھا چکاہے۔ اس بیماری نے بچوں، جوانوں اور بوڑھوں ہر ایک کے حواس پر قابو پالیا ہے۔کرونا۔۔۔ جو2019 کیاواخر میں آیا۔ جسے19 covid کا نام دیا گیا۔چائنہ سے شروع ہونے والی یہ تکلیف دہ بیماری چند ماہ کے اندر اندر انٹرنیشنل لیول تک جا پہنچی اور اس نے ہر ملک میں پنجے گاڑ کر پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب۔۔۔کوئی اسے یہودی ایجنڈے کی سازش کہ رہا ہے۔کوء اسے انسانی وائرس بتا رہا ہے۔کوء اسے اللہ کا عذاب سمجھ رہا ہے۔ جو کچھ بھی ہے۔۔۔ہے تو ہمارے لیبیو بال جان۔جس نے عالمی سطح پر معیشت کو ڈگمگا دیا۔ جو بنی نوع انسان کی سیاسی، سماجی، معاشی اور ماحولیاتی سرگرمیوں پر نہ صرف حاوی ہوا بلکہ گلوبل ورلڈ کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ نہیں۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔ انسان ابھی یہاں تک نہیں پہنچا۔ وہ ا یک قوم کو تباہ کرے گا۔ ایک ملک یا ایک قوم پر اپنی جارحیت قائم کرے گا۔مگر پوری دنیا۔۔۔ پوری دنیا کا حاکم، آقا، مالک و خالق وہی رب السموات والارض ہے۔۔۔جو آج کائنات میں اپنا لوہا منوا رہا ہے۔

جس نے دور حاضر کی جاہلیت اور گناہوں سے لتھری ہوء انسانیت کو بتادیا کہ "الملك للّٰه والحكم للّٰه" جس نے سپر پاور طاغوتی طاقتوں اور فرعونیت سیلبریز دماغوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

''جس نے میرا جسم میری مرضی'' کہنے والوں کو دن میں تارے دکھا دیے لا شك فی ذالك۔۔"ان بطش ربك لشديد واللّٰه عزيز ذو انتقام"(القران) ابھی بھی وقت ہے۔۔۔ سنبھل جائیں۔۔۔ خدارا۔۔۔ سنبھل جائیں سچے اور کھرے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں۔

شرک وبدعت چھوڑ کر ایک الہ کی طرف مائل ہو جائیں۔۔۔ جو رب العالمین ہے۔ جو رب العرش والعظیم ہے ہمیں اسی کو منانا ہے۔۔۔ اسی کے آگے گڑ گڑانا ہے۔۔۔توبت النصوح کرنی ہے۔۔۔توبہ النصوح۔۔۔ایسی سچی اور کھری توبہ۔۔جس کے بعد انسان گناہ نہ کرنے کا عزم کرلے24 گھنٹوں میں ایک وقت اپنا محاسبہ کیجیئے کہ آج میں نے اللہ کو راضی کرنے والے کتنے کام کیےاور اس کے غضب کو دعوت دینے والے کونسے اعمال ہم سے سرزد ہوے۔

یادرکھئے۔۔۔ جب ہم عملی اقدام اٹھائیں گے۔اپنے برے رویوں کو تبدیل کریں گے۔حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا خیال رکھیں گے تو۔۔پھر۔۔ اللہ ہماری مدد کرے گا۔ ہمارے ہمارے لیے دنیا وآخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔ بصورت دیگر۔۔کرونا۔۔۔ کے خوف سے پڑھنے والی نمازیں اور تسبیحات ہمیں کچھ فائدہ نہ دیں گی۔۔۔ انداز بیاں اگرچہ میرا شوخ نہیں ہے۔۔۔شاید کہ اتر جاے تیرے دل میں میری بات(ختم شد)



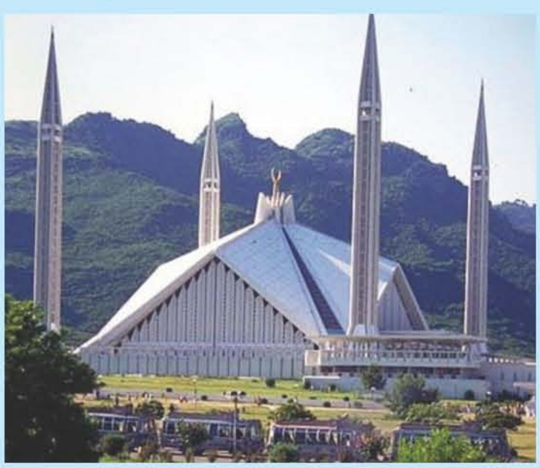
بت شکنی سے مندر کی تعمیر تک

فاطمہ ہاشمی

خبر ہے کہ اسلام آباد کے شہر میں حکومت پاکستان نے مندر کی بنیاد رکھوا دی ہے

اس پہ بہت سے لوگ اس پہ سوال اٹھا رہے ہیں لیکن برا ہو اس سیاسی فرقہ واریت کا جس نے حق کہنے سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب کر لی ہے اور بہت سے مذہبی لوگوں اس موقع پہ نیوٹرل ذہن دینے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں اور اس کو وہ مذہبی رواداری اقلیتوں کے حقوق سے جوڑتے پائے جاتے ہیں

اب سوال یہ ہے کہ اقلیتوں کے حقوق ہیں کیا؟ اور یہ کون بتائے گا؟ کیا اقلیتوں کے حقوق کے نام جو من مرضیاں چاہے کرتے جائیں یاں اس کا کوئی دائرہ کار ہے ہر مذہب و ملک نے اپنے اقلیتوں کے حقوق بیان کیئے لیکن اسلام نے اقلیتوں کے جائز حقوق کا بہت خیال رکھا ہے لیکن اسلام نے شرک کو بالکل حرام قرار دیا ہے اور اس کی تبلیغ پہ بھی پابندی عائد کی ہے اور اس کو ظلم عظیم بتایا ہے کہ اللہ سے شرک روا رکھا جائے جس اللہ نے کائنات کو پیدا کیا اس نے شرک کی اجاذت نہیں دی اگرچہ اسلام میں زبردستی نہیں لیکن شرک کا اڈا بنانا یا اسکا ساتھ دینا بھی جائز نہیں



مختلف ممالک پہ اسلامی فوجوں کی یلغار کے بعد وہاں لوگوں کی عبادت گاہوں کو بلا جواز مسمار نہیں کیا گیا لیکن اس کیبا جود تاریخ اسلام میں مکہ میں بتوں کی تباہی سے ایران کے آتشکدے کے بجھنے اور محمود غزنوی کے بت شکن بننے کے واقعات موجود ہیں اسکے برعکس عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں کو مکمل تحفظ دیا گیا مگر تعمیر تو ان کی بھی نہیں کی گئی حالانکہ وہاں اللہ کی عبادت ہوتی تھی جبکہ مندر تعمیر کرنا تو بالکل محال ہے

ہمارے جوشیلے لوگ تو انتہا درجے کے سوالات کرتے پائے گئے

کہ جناب یہ بتائیں اگر ہم ان کی عبادت گاہ تعمیر نا کریں تو وہ بھی حق رکھتے ہیں ہم پھر بابری مسجد کو کیوں روتے ہیں؟ اس کا مطلب ہے کہ کفار کے ممالک میں اسلامی عبادت گاہیں بھی نا ہوں وغیرہ جیسے سوالات کرتے پائے گئے

بھائی اسلامی حکومت نے کسی ملک پہ ذور نہیں دیا کہ وہ مساجد تعمیر کروائے لہذا لوگ اپنی مدد کے تحت مساجد تعمیر کرتے ہیں

اسی طرح اسلامی حکومت پہ بالکل فرض نہیں کہ ان کی عبادت گاہوں کو تعمیر کرے اور شرک کے اڈے بنائے اور اس کفار کی مدد کرے

اب بتائیں اس کائنات کا سب بڑا ظلم جس کی تبلیغ کھلے عام کرنا اسلامی حکومت میں جائز نہیں ہے کجا کہ اسلامی حکومت خود اٹھ کر اس کے مراکز کھولنے لگے

اب یہ بتائیں کیا حق و باطل سچ و جھوٹ برابر ہیں ہمارے لوگ لاشعوری طور پہ مذہبی رواداری کے سبق سن سن کر اس کو برابر سمجھ بیٹھے ہیں

گر کفار مساجد بنائیں تو اس زمین پہ یہ اللہ کا حق ہے جس سے وہ دور جا چکے ہیں اور حق نہیں دے رہے تھے لیکن اگر ہم بت کدے بنائیں تو یہ ظلم عظیم جس کی ہماری شریعت قطعًا اجازت نہیں دیتی۔

یعنی عجیب بات اک بندہ جھوٹ سے سچ پہ آجائے

تو کیا اب سچے کو بھی جھوٹا بننا چاہیے کہ جی رو داری ہے برابری ہونی چاہیے دیکھئے ناجی آج اس نے سچ کو مانا ہے لہذا ہم بھی آج جھوٹ کی مدح سرائی کریں کفار نے توحید کے لیے مسجد بنوا دی ہے لہذا ہم بھی شرک کے لیے مندر بنا دیں

غلط وصحیح کیسے برابر ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کفار کے لیے اعلانیہ اپنے مذہب کی تبلیغ اور مزید مذہبی ادارے بنانا منع ہے

اب رہی حکومت پاکستان پاک لوگوں کا ملک اسلام آباد جہاں اسلام کو آباد ہونا تھا وہاں پہ مسجد و مدرسہ کو محض اس لیے حکومت گرا دیتی ہے کہ سرکاری ذمین ہے اور سرکار کی اجازت کے بنا کوئی مسجد نہیں بن سکتی اور بہت سے بزرجمہر اس بات کو اسلام سے ہی ثابت کرتے پائے گئے کہ مسجد نبویؐ کی ذمین خریدی گئی وغیرہ اس لیے یہ مسجد و مدرسہ ناجائز ہیں لہذ تمام تر خطرات کو نظر انداز کر کے فتنہ و فساد کا دروازہ کھولا گیا اور مسجد و مدرسہ جو آباد تھا اس کو شہید کیا گیا جس سے ملک میں انتشار پیدا ہوا اور خوارج کا فتنہ بھی بطور سزا ہم پہ مسلط ہوا



اب اسی اسلام آباد کو کیا سوجھی کہ وہ مندر اللہ کی بغاوت و نافرمانی اور ظلم عظیم کا سہرہ اپنے سر سجانے لگا اور بزرجمہر لوگ اور بصیرت سے عاری علم سے نا آشناء اس کو مذہبی رواداری کا اک عظیم کارنامہ گردانتے گا

اگرچہ اسلام آباد میں ہندووں کی اک بڑی تعداد بھی ہوتی تب بھی مندر تعمیر کرنا درست نا ہوتا کجا کہ جب وہاں محض چند لوگ ہوں اور سرکاری خزانے سے شر کے اڈوں کو کھولا جائے جبکہ مسجد میں بجلی کے بل میں ٹی وی کا ٹیکس لگا کر بھیجا جارہا ہو

درحقیقت بات یہ ہے کہ کفار کو خوش کیا جا رہا ہے پیچھے خود کو نیوٹرل روادار اور کفار کے لیے نہایت نرم گوشہ رکھنے والا ظاہر کرتے یہ اسلام آباد یے تجارتی و دیگر مقاصد رکھتے ہیں وہ جی ایف اے ٹی ایف ہے معیشت کا مسلہ ہے اسلام پسندوں پہ پابندی لگانا اور اور کفار کو خوش کرنے تمام حربے نہایت ہی بودے ہیں کیوں کہ اللہ نے پہلے ہی بتا دیا ہے کہ یہ یہود نصاری تمہارے دوست نہیں ہو سکتے اور تم انکو خوش کرنا چاہو تو یہ خوش نا ہوں گے حتیٰ کہ تم ان کے مذہب کو اختیار کر لو

نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن، تم ہو
بیچ کھاتے جو اسلاف کے مدفن، تم ہو
ہونکے نام جو قبروں کی تجارت کر کے!
کیا نا بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے؟

وہ اپنے مطالبات بڑھاتے ہی جائیں گے وہن نے اس امت کو تباہ کر دیا ہے نبیؐ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جب تم گائے کی دموں کو پکڑ لو گے کھیتی باڑی میں لگ جاو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تم پہ ذلت مسلط کر دے گا اور تب تک نہیں اٹھائے گا جب جب تک تم اپنے دین (یعنی جہاد) کی طرف واپس نہیں پلٹتے عزتوں کا راستہ جہاد جبکہ ذلتوں کا راستہ معاش کے پیچھے لگ کر جہاد چھوڑنا حافظ سعید کو مجرم بنانا اور مندروں کو تعمیر کرنا ہے بت شکنوں کی اولاد آج بت فروش بنی

درحقیقت اقبال نے خوب عکاسی کی

ہاتھ بے ذور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعث، رسوائی، پیغمبر ہیں !

بتائیں آج محمد عربیؐ جنہوں بتوں کو توڑا تھا اس مندر کی خبر سے خوش ہوتے حقیقت ہے کہ الحاد نے بصیرت چھین لی ہے اور ہاتھوں میں ذور نہیں اور دل میں خوف ہے کہ معیشت کے بنا کیسے جنگ لڑیں گے جبکہ مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

بقول اقبال

بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا ابراہیم پدر، . اور . پسر آذر ہیں !

اب دیکھیں ابراہیم علیہ اسلام بت شکن تھے لیکن آج ابراہیم کے روحانی فرزند پسر آذر ہیں یعنی معاملات الٹ چکے ہیں بت شکنوں کے وارث اب بت فروشی پہ آ گئے

بادہ آشام نیا، بادہ نیا، بت بھی نئے
حرم کعبہ نیا، بت بھی نئے، تم بھی نئے



وادی کشمیر اور آتشِ نمرود

سفیر اقبال

سوچا تھا اس بار کچھ نہیں لکھوں گا .....

تا کہ ہاتھ باندھنے، روڑے اٹکانے اور حوصلہ توڑنے والوں کو بھی علم ہو کہ ذہنی شکست کیا ہوتی۔ لیکن پھر خیال آیا جب لڑنے والے شکست قبول نہیں کر رہے تو میں لکھنے سے کیوں ہاتھ پیچھے کروں...اور جنہیں گھر سے باہر نکل کر افق کا منظر دیکھنے کی ہمت و جرات تک نہیں کیوں ان چند لوگوں کی وجہ سے ذہنی شکست قبول کروں.

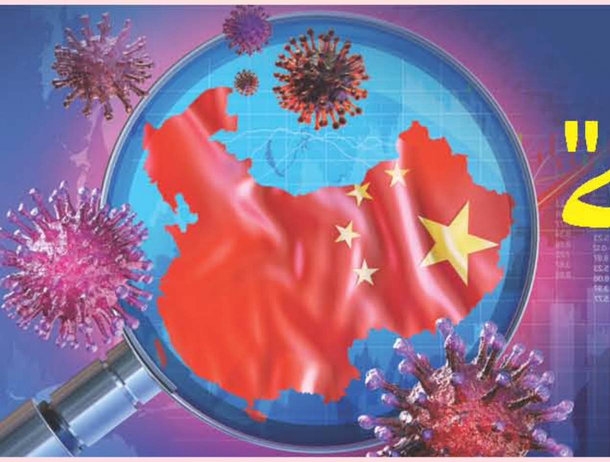
تو عرض یہ ہے کہ دشمن یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس طرح کے مناظر اور اس طرح کے معرکے دکھا کر ڈرا دھمکا کر انہیں اپنے ساتھ ملا لیں گے. یہی خوش فہمی لاک ڈاون شروع کرتے وقت بھی تھی کہ جب تک اقوام متحدہ یا پاکستان کی طرف سے شدید ری ایکشن نہیں آتا تب تک ہم نیٹ سروس بند کر کے دنیا سے ان کا رابطہ ختم کروا لیں گے اور لاک ڈاون کا بہانہ بنا کر اندر کھاتے انہیں خوراک و آسائش مہیا کرتے رہیں گے اور بالآخر انہیں اپنا گرویدا بنا لیں گے. اور بعد میں دنیا کو دکھا دیں گے کہ ہم ایک ہیں اور بھائی بھائی ہیں. اور اب آزادی کی کوئی ضرورت نہیں .

لیکن ان گائے کا پیشاب پینے والوں کی قسمت میں جنت اور جنت نظیر کی دودھ کی نہریں کبھی نہیں تھیں. اتنا عرصہ گزر گیا نیٹ سروس بحال ہو گئی لیکن اس بستی میں آج تک کوئی ترنگا لہراتا نظر نہیں آیا ... جہاں سبز ہلالی پرچم لہراتا نظر آتا تھا آج بھی لہرا رہا ہے مگر جبری طور پر اپنا بنا لینے والی قاتل و بے رحم حکومت وہاں پر ترنگا نہیں لہرا سکی. وہ مظلوم لیکن غیرت مند لوگ اپنا غم اپنی خوشیاں، اپنے روزے اور اپنی عیدیں سبز ہلالی پرچم کے ساتھ منانا پسند کرتے ہیں ...اب بھی! اور جابر و قاتل حکومت یہ سب دیکھنے کے باوجود بھی انہیں روکنے میں ناکام ہے .

وہ مزاحمت کاروں کو بھون رہے ہیں اور بچوں بزرگوں کو دھمکا رہے ہیں. ہو سکتا ہے لالچ بھی دے رہے ہوں اور عین ممکن ہے کہ اس لالچ کی وجہ سے کچھ نہ کچھ لوگ ہتھیار ڈال کر ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہوں اور تحریک کے خلاف سرگرم ہو چکے ہوں اور غداروں کی صف میں کھڑے ہو گئے ہوں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تحریک ختم ہو رہی ہے .

مائیں اپنے بیٹے گنوانے کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دے رہیں. اندازہ کریں پاکستان کے اندر پاکستان کا کھانے والے ہلکی سی اونچ نیچ کی

بقیہ صفحہ نمبر 6 پر



"جان ہے تو جہان ہے"

اسد اللہ، فیصل آباد

یہ ضرب المثل ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں لیکن اس کا حقیقی معنی صرف وہ جانتا تھا جسے کسی بیماری کا سامنا کرنا پڑتا اور وہ گزرے ہوئے وقت کو یاد کر کے سوچتا کہ وہ بھی کیا وقت تھا جب مجھ میں توانائیاں تھیں میں جوان تھا اور آج میرا توانا جسم بے جان پڑا ہے اور آج مجھے دنیا و مافیہا سے کیا لینا دینا۔ پہلے زمانے میں اس کہاوت سے بہت تھوڑے لوگ واقف تھے لیکن جیسے ہی دنیا نے کیلنڈر کا صفحہ سنہ دو ہزار بیس کیلئے پلٹا تو پوری دنیا کو ہی اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ چائنا سے سر اٹھانے والے کرونا وائرس نے دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دنیا بھر کے ملکوں نے اپنی سرحدیں بند کر دیں اور ہر طرح کی کاروباری و سفارتی سرگرمیاں دنیا بھر میں جمود کا شکار ہو گئیں۔ دنیا کے بیش تر ممالک نے انتہائی اقدام اٹھاتے ہوئے اپنے شہریوں کو گھروں تک محدود کرنے کیلئے لاک ڈاؤن حتیٰ کہ کرفیو تک لگا دیا۔ اس صورتحال میں پاکستانی حکام نے بھی ملک بھر میں لاک ڈاؤن لگایا جو کہ باقی دنیا کے برعکس ایک انوکھا لاک ڈاؤن تھا۔ باقی دنیا میں لاک ڈاؤن کے دوران ہر طرح کی تجارتی و معاشرتی سرگرمیوں پر سختی سے پابندی تھی لیکن پاکستان میں لاک ڈاؤن کے دوران چھپ چھپا کے کاروبار جاری رہا اور لوگ حسب معمول بے دھڑک سڑکوں پر گھومتے پھرتے رہے۔ اس دوران پولیس اور دکانداروں کے درمیان بلی چوہے کا کھیل بھی جاری رہا جس کا فائدہ پولیس کو ہوا کہ لاک ڈاؤن کے دوران دکانداروں کو کام کی اجازت کے عوض انہیں کافی کچھ ملتا رہا۔ لاک ڈاؤن تقریباً دو ماہ تک جاری رہا لیکن ملکی سطح پر شدید عوامی ردعمل کی وجہ سے حکومت کو لاک ڈاؤن کھولنا پڑا۔ حکومت کی جانب سے عید سے قبل کھولے گئے لاک ڈاؤن کے ہولناک نتائج اب سب کے سامنے آچکے ہیں ہر روز ہزاروں لوگوں میں کرونا کی تشخیص ہو رہی ہے اور بہت سے علاقوں میں روزانہ اموات کی خبریں بھی زبان زد عام ہیں۔

اس طرح کے بہت سے واقعات بھی دیکھنے کو آئے ہیں کہ لواحقین کرونا ٹیسٹ کروانا ہی نہیں چاہتے۔ ان کے مریض نزلہ، بخار اور سانس میں دشواری جیسی پیچیدگیوں کے باوجود بھی گھروں میں پڑے رہتے ہیں اور اس طرح ایسے لاپرواہ لوگ چند دن میں ہی اپنے پیاروں کو کھو بیٹھتے ہیں۔ سوچئے کہ یہ کس قسم کا بخار ہے جس کے ساتھ مریض دو چار دن میں ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ محض بخار ہی ہوتا ہے یا ان مریضوں کی موت میں کرونا کا بھی عمل دخل بھی ہے۔

حال ہی میں ایک واقعہ میرے علم میں آیا کہ ایک مریض کو انجیکشن لگا کر مار دیا گیا ہے۔ ایسے واقعات پہلے بھی نظر سے گزرے تھے لیکن جب یہ واقعہ میرے خود کے حلقہ احباب میں ہوا تو اس کی تہہ تک جانے کی ٹھانی۔ تھوڑی تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ ایکٹرا نامی انجیکشن فی الوقت سب سے اچھا علاج مانا جاتا ہے جو اس وقت کرونا کے مریضوں کے علاج کیلئے امید کی آخری کرن بن چکا ہے۔ یہ انجیکشن جس کی قیمت کافی زیادہ ہے سرکاری ہسپتالوں میں مفت بھی لگایا جاتا ہے۔ سرکاری ہسپتالوں میں یہ انجیکشن مفت ملتا ہے لیکن پرائیویٹ ہسپتالوں میں جب کوئی کرونا کا مریض آتا ہے تو اسے عالمی تجاویز کے مطابق یہی انجیکشن تجویز کر دیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں اس انجیکشن کی فی الوقت قیمت ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ ہے۔ آجکل ہماری عوام اپنے مریضوں کو سرکاری ہسپتال لے جانے سے ڈرتے ہیں اور جب وہ اپنا مریض پرائیویٹ ہسپتال میں داخل کرواتے ہیں تو ڈاکٹروں کی جانب سے باقی ادویہ کے ساتھ انجیکشن بھی منگوائے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بلڈ پلازمہ لگانے کی تجویز

بھی دی جاتی ہے۔ یہ انجیکشن اس وقت پاکستان میں بری طرح کمیاب ہو چکا ہے اس لئے اس کی تلاش میں مریض کے ورثاء پہلے خود جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، سوشل میڈیا پر لوگوں سے، شہر بھر کی فارمیسی والوں سے اور آخر میں ہول سیل کی بلیک مارکیٹ مافیا والوں سے منتیں کرتے ہیں کہ یہ انجیکشن ہمیں ہر صورت چاہیے۔ زیادہ تر کو وہ مارکیٹ سے نہیں ملتا کیونکہ یہ انجیکشن صرف کرونا کیلئے مختص ہسپتالوں کو دیا جا رہا ہے مریض کے لواحقین کو جب یہ انجیکشن نہیں ملتا تو ہسپتال انتظامیہ خود سے اس انجیکشن کا انتظام کر کے مریض کو لگا دیتی ہے۔ جب سے ٹیکہ لگا کر مارنے کا معاملہ زور پکڑنے لگا ہے تب سے اکثر پرائیویٹ ہسپتال کے ڈاکٹر یہ انجیکشن لگانے سے پہلے ورثا سے اجازت نامے پر دستخط بھی لینے لگے ہیں تا کہ ورثاء کو علم ہو کہ دراصل ان کے مریضوں کو لگائے جا رہے انجیکشن اور ادویہ کونسی ہیں اور یہ ادویہ انکے مریض کی بہتری کیلئے لکھی جاتی ہیں نا کہ اس میں ڈاکٹرز کا



کوئی ذاتی فائدہ ولالچ ہے۔

ایسے لوگ جو اپنے مریضوں کو پرائیویٹ ہسپتالوں میں لے جاتے ہیں انہیں یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہر پرائیویٹ ہسپتال کا یومیہ بل پانچ سے دس ہزار تک ہوسکتا ہے جو کہ عام فہم و معمول کی بات ہے اور جب یہی مریض انتہائی نگہداشت میں منتقل کیا جاتا ہے تو ہر دن کا بل دوگنا سے بھی کہیں بڑھ جاتا ہے۔ اس صورتحال میں ہوتا یہ ہے کہ قریب المرگ مریض جو کہ مقامی طور پر تمام ٹوٹکے اور تمام حربے آزما کر ہسپتال میں لایا گیا ہوتا ہے وہ چار پانچ دن انتہائی نگہداشت میں رہنے کے بعد اپنی سانسوں کی روانی کھو دیتا ہے۔ جیسے ہی مریض مرتا ہے، زہر کے ٹیکے کا اصل کھیل شروع ہو جاتا ہے۔

مریض کے مرنے کے فوراً بعد پرائیویٹ ہسپتال انتظامیہ کی جانب سے ڈیڑھ دو لاکھ کے ایکٹرا انجیکشن اور آئی سی یو چارجز کے ساتھ چار پانچ لاکھ کا بل ورثاء کو تھمایا جاتا ہے اور اس بل کو دیکھتے ہی ورثاء واویلہ شروع کر دیتے ہیں کہ ڈاکٹروں نے ٹیکہ لگا کر ہمارا مریض مار دیا اور اب یہ ڈاکٹر ہم سے میت کے پانچ لاکھ مانگتے ہیں۔ سستی شہرت کے متلاشی سوشل میڈیائی ہیرو جو آجکل ہر جگہ وافر موجود ہیں وہ اپنا موبائل کیمرہ لے کر میدان میں آ ٹپکتے ہیں اور رپورٹنگ کر کے عوام کو گمراہ کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ دیکھیئے اس مریض کے ورثاء سے میت کے پانچ لاکھ مانگے جا رہے ہیں یہ لوگ اچھا بھلا مریض لے کر آئے تھے اور ڈاکٹروں نے ہمارے مریض کو زہر کا ٹیکہ لگا کر مار دیا ہے۔ ہماری بھولی بھالی عوام اس متوفی کے غم میں یہ بات بھول ہی جاتی ہے کہ اگر یہ اچھا بھلا بندہ تھا تو ہسپتال لایا ہی کیوں گیا اور اگر مریض کے ورثاء مہنگے علاج کی سکت نہ رکھتے تھے تو مہنگے ہسپتال میں لے کر ہی کیوں گئے؟

میں یہ نہیں کہتا کہ پرائیویٹ ہسپتال والے دودھ کے دھلے ہیں لیکن یہ بات تو ہر کسی کو پتہ ہے کہ پرائیویٹ ہسپتالوں میں علاج سستا نہیں ہے۔ سرکاری ہسپتال میں داخل ہونے والے مریضوں کا مفت علاج اور مفت کرونا ٹیسٹ کیا جاتا ہے لیکن ڈر کے مارے لوگ اپنے مریضوں کو سرکاری ہسپتال لے جانا ہی نہیں چاہتے

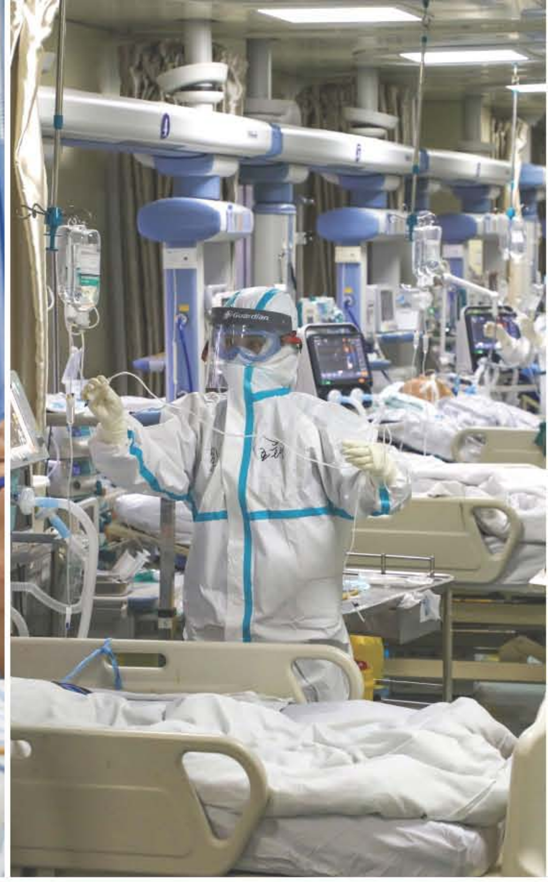
اور جب پرائیویٹ ہسپتال میں مریض مرجاتا ہے تو لواحقین پرائیویٹ ہسپتال کے اس بل سے جان خلاسی کروانا چاہتے ہیں۔

اب تک سوشل میڈیا پر ایسی جتنی بھی ویڈیوز دیکھنے میں آئیں جن میں مبینہ طور پر میت کے بدلے پانچ لاکھ کا تقاضہ یا ذہر کا ٹیکہ لگانے کی جذباتی رپورٹنگ کی گئی اس کا کوئی سر پیر نہیں ملتا اور ان رپورٹروں کا بھی کوئی اتہ پتہ نہیں۔ ایک نجی









ٹی وی چینل کے نام والے لوگو کے ساتھ وائرل ہوئی ویڈیو کے بابت جب اس چینل سے رابطہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ وہ شخص نہ تو انکا نمائندہ ہے اور نہ ہی انکا ادارہ اسے جانتا ہے۔

یہ وقت غلط خبریں پھیلانے کا نہیں ہے کیونکہ کرونا کا مرض اس وقت ملک پاکستان میں اس قدر پھیل چکا ہے کہ اب ہر خاص و عام اس کی لپیٹ میں ہے لیکن عوامی غفلت اپنے عروج پر ہے۔ لوگ ڈر کے مارے اپنے مریضوں کا ٹیسٹ نہیں کرواتے بلکہ کرونا کی تمام تر علامات ظاہر ہونے کے باوجود مریض کو گھر پر ہی رکھے رکھتے ہیں اور جب صورتحال قابو سے باہر ہو جاتی ہے تو ہسپتال کا رخ کرتے ہیں اور جب انکا مریض جان سے جاتا ہے تو اپنی لاپرواہی و غفلت کی خفت مٹانے کیلئے کہنے لگتے ہیں کہ ہمارے مریض کی رپورٹ تو نیگیٹو تھی۔

شروع شروع میں کرونا کے وجود سے انکاری عوام کو اب سمجھ آ جانی چاہیے کہ اس وقت ملک میں ہر روز کرونا کیسز کا ریکارڈ پر ریکارڈ بن رہا ہے۔ صرف گزشتہ 24 گھنٹوں میں 6ہزار 825 نئے کیسز رپورٹ ہوئے ہیں اس طرح ملک بھر میں کورونا کیسز کی تعداد ایک لاکھ 39ہزار 230 ہو چکی ہے جبکہ اس موذی وائرس سے اب تک 2632 افراد جاں بحق ہو چکے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کرونا کے نئے کیسز کے لحاظ سے پاکستان دنیا بھر میں چھٹے نمبر پر آ چکا ہے اور ایکٹیو کیسز کے لحاظ سے بھی پاکستان چھٹے نمبر پر ہے۔

یاد رہے کہ دسیوں پاکستانی ڈاکٹرز اب تک اس مرض سے لڑتے لڑتے اپنی جان دے چکے ہیں اور سیکڑوں ڈاکٹر اس وائرس کا شکار ہیں۔ اس وقت ڈاکٹر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہمارے مریضوں کا علاج کرنے میں لگے ہیں لیکن ہماری ذہنی پستی کا یہ عالم ہے کہ ہم انہی ڈاکٹروں پر ڈالر لینے اور ٹیکہ لگا کر مارنے جیسے بے تکے الزامات لگاتے ہیں۔ ہم میں سے ہر کسی کے حلقہ احباب میں کئی ڈاکٹر ہوں گے ذرا آنکھیں بند کر کے دل پر ہاتھ رکھ کر ان ڈاکٹروں کے متعلق سوچئے کہ ان میں سے کون ایسا ہے جو کسی دکھی شخص کی جان اپنے ہاتھوں سے لینے کی ہمت رکھتا ہو؟ کون اتنا سنگدل و ظالم ہے جو کسی کو زہر کا ٹیکہ لگا سکتا ہو؟

پانچ لاکھ کا شور تو سنتے ہیں لیکن پانچ لاکھ دے کر میت لانے والا کوئی شخص ملے تو ہمیں بھی بتایئے یا کوئی شخص مجھے اس بات کا ثبوت ہی لا دے کہ ان ڈاکٹروں کو کسی کی جان لینے پر ڈالرز کہاں سے ملتے ہیں تا کہ اپنی جیب سے ماسک اور حفاظتی لباس خریدنے والے تمام ڈاکٹروں کو ان ڈالروں کا پتہ چل سکے۔

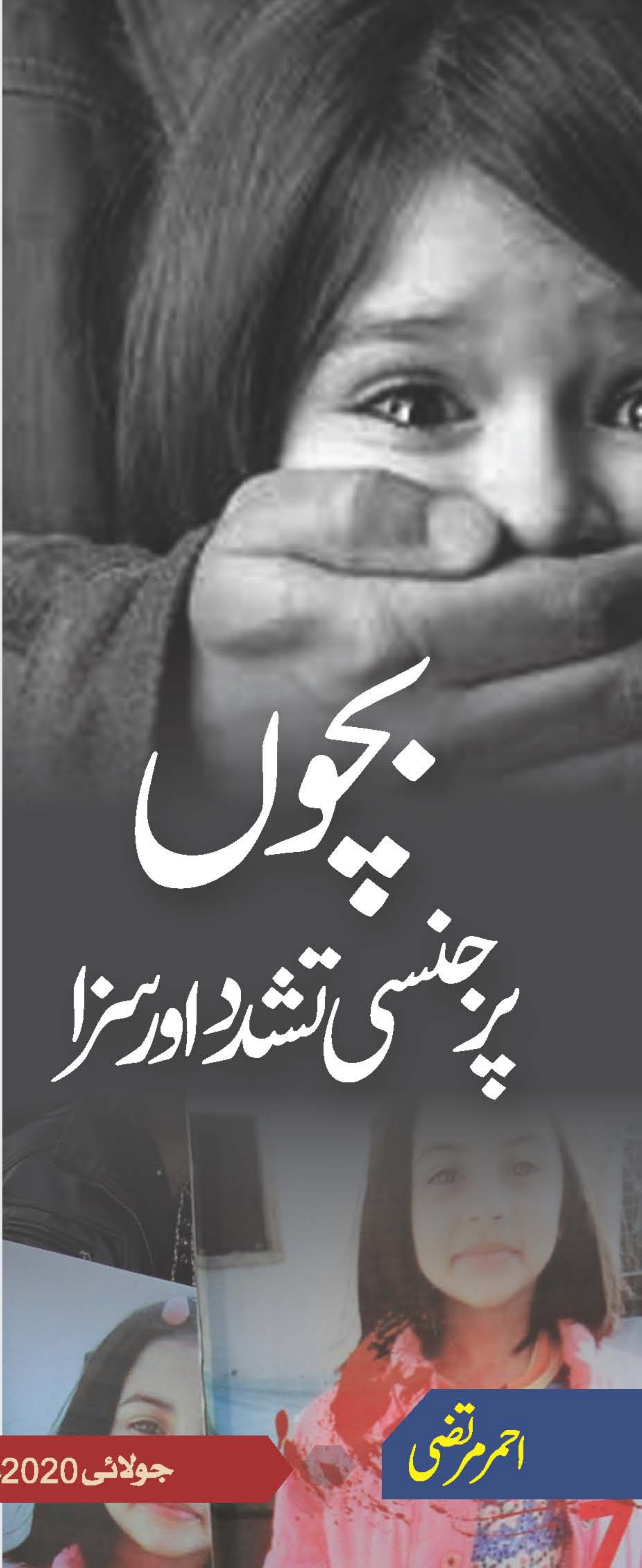
خدارا کوشش کیجئے کہ مایوسیوں اور افراتفری کے اس دور میں آپکی پھیلائی ہوئی کسی خبر کی وجہ سے کسی کا نقصان نہ ہو جائے۔ کوئی بھی خبر ہو اس کی جانچ کیجیے، اس کو ہر طرح سے پرکھئے اور یہی قرآن کا اسلوب ہے کہ:

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔

(سورہ الحجرات آیۃ:6)

بچوں پر جنسی تشدد اور سزا

احمر مرتضی



بچوں سے جنسی زیادتی کا معاملہ اگرچہ کہ ایک پرانا مسئلہ ہے مگر گزشتہ کچھ سالوں بالخصوص قصور کی معصوم کلی زینب کے ساتھ جنسی زیادتی بعد ازاں سفاکانہ قتل کے بعد ملک بھر کی عوام سیاسی وسماجی اور دیگر کئی پلیٹ فورم سے اس مسئلے کے تدارک کے لیے آوازیں اٹھنا شروع ہوگٸ تھی اس پر کیا پیش رفت ہوئی اس بحث میں جایں بغیر ہم اپنی اصل بات پر آتے ہے کہ پاکستان کے زیر انتظام آزاد کشمیر کی قانون ساز اسمبلی نے بچوں سے جنسی زیادتی کے حوالے سے ایک اہم بل ریاستی کابینہ سے منظور کر کے مزید کاروائی کے لیے قائمہ کمیٹی برائے قانون انصاف کو بھیج دیا ہے جہاں سے منظوری کے بعد اسے دوبارہ قانون ساز اسمبلی میں باقاعدہ ووٹنگ کے لیے لایا جایں گا اب یہ بل باقاعدہ قانون کی شکل اختیار کرتا ہے یا نہیں بعد کی بات لیکن جو دلچسپ بات ہے وہ اس بل میں تجویز کی گئی سزا ہے جس میں مطالبہ کیا گیا جنسی زیادتی کرنے والے کو جنسی صلاحیت سے محروم کر دیا جایں یعنی عام مفہوم میں (خصی) کر دیا جایں مزید اس بل میں خصی کرنے کا طریقہ کار بھی تجویز کیا گیا جو اپنی جگہ دلچسپی کا حامل ہے کہ عدالت سے باقاعدہ منظوری کے بعد یہ عمل سرجری کے ذریعے کیا جایں اگر اس طریقے میں ملزم کی ہلاکت کا خدشہ ہوتو پھر کیسٹریشن یعنی خصی کا عمل کیمیکل کے ذریعے کیا جایں اب جیسے ہی اس بل کی گونج آزاد کے کشمیر کے ایوانوں سے اٹھی ہے انسانی حقوق کے نام نہاد اداروں کے کچھ کارکن اپنا مصنوعی رحمِ انسانیت محبتِ انسانیت اور حقوق نسواں کا نعرہ لیں کر اس کے پیچھے پڑ گئے ہے کہ

جی اس بل سے اس عورت کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوگی جو اس قانون کے سزا یافتہ شخص سے شادی کریں گی تف ہے ان کی ہمدردی پر کہ یورپ جو ناجائز تعلقات جنسی زیادتیاں اور دیگر جنسی جرائم میں مبتلا ہوکر اپنا بیڑہ غرق کرچکا ہے اور وہاں جنسی درندگی کو آزادی کے نام پر باقاعدہ قانونی تحفظ حاصل ہے اس بارے نا تو ان کی آوازیں نکلتی ہے نا ہی کوئی قانون سازی پر بات کرتا ہے اور جو کوئی کونے کھدرے سے آواز اٹھتی ہے تو اس کا اثر ٹھنڈے لوہے پر لگائی جانے والی ضرب سے بھی کم ہوتا ہے دراصل ان جعل ساز سماجی کارکنوں یا اداروں کی پلوٹو تک بلند ہوتی چیخوں کا سبب انسانیت کی فکر نہیں بلکہ ان کی فکر وہ سرمایہ اور محنتِ غلیظ ہے



جو انہوں نے مغربی گند کو دنیا بھر میں بالعموم اور بالخصوص مسلم ممالک کو ذہنی اور دیگر کئی طریقوں سے غلام اور حوس کی بھوک کا شکار بنائے رکھنے اور خود حکمران بنے رہنے کی پالیسی کے لیے کر رکھی ہے۔

اس لیے ان کو دنیا بھر میں ایسے قوانین بالخصوص پاکستان کی حدود میں ہرگز گوارہ نہیں ہے اور اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جایں تو پھر یہ تو اس بچی کے حقوق کی تلافی بھی ہے جس کے ساتھ یہ عمل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی تو عورت ہے اس کی بھی تو شادی ہوگی کیا اس سے شادی کرنے والے مرد اور ساتھ ہی اس عورت کی تذلیل نہیں ہوگی دراصل یہ ایک ایسا جرم ہے جو ناقابل معافی ہے اور پوری انسانیت کی تذلیل ہے اور پھر کئی جرائم میں سزا کے حوالے سے یہ قاعدہ بڑا ہی مفید ہے کہ ملزم کو جان سے مار دینے یا کوئی اور سزا دینے سے بہتر ہے کہ اسے نشان عبرت بنادیا جائے تا کہ وہ ایک بار کی بجائے بار بار مرے اور لوگ اس سے عبرت حاصل کرتے رہے اور شرعی فلسفہ سزا بھی یہی ہے کہ ملزم نشان عبرت بنے اور معاشرہ جرائم و مجرمین سے پاک ہو کیونکہ "ایک ہاتھ کٹا" چور دوسرے چوروں کے لیے عبرت ہے اور ایسے ہی ایک "خصی" دوسرے مشکوک لوگوں کے لیے عبرت ہوگا اس لیے ضروری ہے کہ یہ قانون اور اس طرح کے زیادہ سے زیادہ اور سخت سے سخت قوانین نا صرف آزاد کشمیر یا پاکستان بلکہ عالمی سطح پر بھی بنائے جائیں اور ان کا سختی سے نفاذ بھی کروایا جائے۔

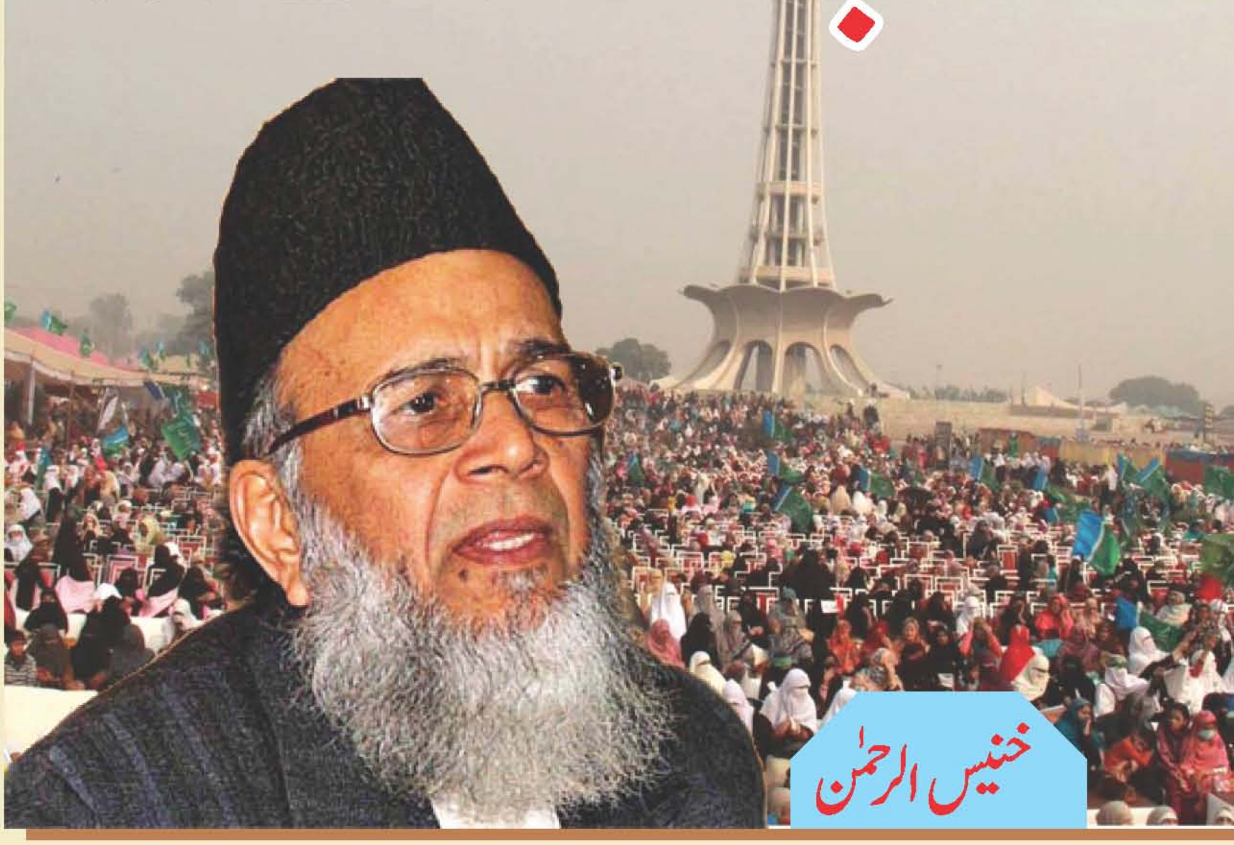
کیونکہ یہ گند اور دیگر جنسی جرائم اب ایک عالمی مسلہ ہے جس کو یورپ میں انسانی حقوق کی آڑ میں بہت زیادہ تحفظ ملتا رہا ہے مگر اب اہل یورپ بھی اس نحوست سے جان چھڑانا چاہتے ہے اور پھر اسلامی ممالک بھی اس کے وسیع اثرات کی زد میں ہے اس لیے بروقت اور فوری انصاف پر مشتمل سخت سے سخت قوانین اور ان میں تجویز کردہ سزائیں اور اس کے انسانی جسم و مزاج، کردار، رویوں اور انسانی معاشرے پر گہرے اور تادیر اثرات سے آگاہی ہی اس مسئلے کا واحد حل ہے اور اب یہ پیشگی مطلع کردیا جاتا ہے کہ اگر یہ بل قانون کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور اس کے تحت ایک دو درندے خصی کردئے جاتے ہے تو یہ نا صرف اس قبیح عمل کو روکنے میں ایک مثبت پیش رفت ہوگی بلکہ ساتھ ہی ان لوگوں کو کان بھی ہوجایں گے جو مستقبل میں ایسے ارادے بنائے بیٹھے ہے۔

راقم الحروف کی ناقص رائے تو یہی کہتی ہے کہ اس بل کو قانون بنایا جایں اس کا سختی سے نفاذ ہو اور پھر اس کو پاکستان بھر میں بھی قانون کا حصہ بنایا جایں اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور سخت قانون یعنی سزائے موت وغیرہ ہو تو وہ بھی کارگر ثابت ہوگا مقصد اس چھاپ کو اتارنا ہے اس داغ کو دھونا ہے جو نا صرف انسانیت بلکہ ہمارے اسلامی تشخص کو گدلا کرتا جارہا ہے اور پھر عالمی میڈیا کا منہ بند کرنا بھی تو اس کا مقصد ہے جو یورپی گند کو تو تہذیبی حسن بتلاتا ہے اور ہماری چھوٹی سے غلطی کا اتنا ڈھونڈرا پیٹتا ہے کہ ہمیں نا صرف جگ ہنسائی کا سامنا ہوتا ہے بلکہ اور بہت سے نقصانات اٹھانے پڑتے ہے۔

اور آخر میں راقم الحروف کی دوبارہ تنبیہ ہے ان وحشی صفت لوگوں کو جو ایسے عمل کرتے ہے یا ان کا ارادہ بنایں بیٹھے ہے کہ "ہن ذرا تیان نال" اگر اس قانون کو آزاد کشمیر سے پاس ہوکر پاکستان بھر میں پذیرائی مل گئی تو پھر آپ کے نام کے ساتھ "مستقبل کٹا" نام کا اضافہ ہوسکتا ہے اور تحریر کا اختتام اہل اقتدار کے لیے اس دعائے خیر کے ساتھ کہ اللہ انہیں سخت سے سخت قوانین بنانے اور ان کا نفاذ کرنے کی توفیق دیں۔ آمین



دہلی کا سید زادہ رب کے حوالے...



خنیس الرحمٰن

دینی جماعتوں کے جلسے ہوئے کرتے تھے بڑے بڑے کارواں ہوا کرتے تھے لیکن کبھی شریک نہیں ہوا تھا وجہ یہ تھی کہ ابھی کم عمر تھا لیکن میرے لئے خوشی کی انتہا تھی جب 2012ء 18 دسمبر کے دن مینار پاکستان میں ایک بہت بڑا محب وطنوں کا میدان سجنے جارہا تھے. یہ وہی دفاع پاکستان کونسل کی پہلی بڑی کانفرنس تھی جس میں میں نے کئی بڑے بڑے چہروں کو ٹی وی اسکرین سے ہٹ کر براہ راست دیکھا تھا. ان میں مرد قلندر سابق امیر جماعت اسلامی سید منور حسن صاحب بھی شامل تھے. اس کے بعد سید صاحب کی بہت سی تحریکوں کو دیکھا گو امریکہ گو تحریک کے اشتہارات بینرز اور اسٹیکر بھی دیکھے. اس وقت بھی جماعت اسلامی مہنگائی کے خلاف سینہ سپر تھی. اس وقت میں نے دھرنے کا لفظ بھی پہلی مرتبہ سنا تھا کچھ ایسا ہوا لاہور کی سڑکوں پر بینرز آویزاں تھے جس پر لکھا تھا جینا ہوگا مرنا ہوگا اب دھرنا ہوگا. یہ دھرنا اچھرہ میں ہونا تھا جس سے سید منور حسن صاحب نے خطاب کرنے تھا. جمعہ پڑھ کر موبائل نکالا تو نوٹیفکیشن دیکھا جس پر لکھا نظر آرہا تھا سابق امیر جماعت اسلامی... صرف اتنی ہی پڑھا آگے مجھے یوں محسوس ہوا سید منور حسن صاحب سے متعلق کوئی خبر ہوگی. جب میں نے میسج کھولا تو سید منور حسن صاحب کے انتقال کی خبر تھی. سید منور حسن صاحب سے میرا کوئی ذاتی رشتہ نہیں تھا نا ہی میں جماعت اسلامی کا کارکن ہوں لیکن ایک قلبی لگاؤ تھا اور وہ لگاؤ اسی بنیاد پر تھا جو ایک مسلمان کا اپنے مسلمان ساتھی سے ہوتا ہے. سید منور حسن ملی یکجہتی کی علامت تھے اتحاد امت کے داعی تھے. پاکستان سے محبت کرنے والے بے باک قائد و رہنما تھے. میں سید منور حسن صاحب سے متعلق یہ جان کر حیران ہوا کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو شادی پر ملنے والے تحائف جماعت کے بیت المال میں جمع کرادیے. یہاں تو الٹی گنگا بہتی ہے. یہاں ہر سیاست دان اپنی سوچتا ہے کسی طرح میں عہدے سے برطرف ہونے سے پہلے پہلے کچھ نا کچھ حاصل کرلوں. لیکن اللہ یہ بصیرت اپنے محبوب

بندوں کو ہی عطاء کیا کرتے ہیں. سید منور حسن جماعت اسلامی پاکستان کے چوتھے امیر تھے۔ وہ اگست 1944 ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ تعلق تقسیم برصغیر سے پہلے کے شرفائے دہلی سے ہے۔ آزادی کے بعد ان کے خاندان نے پاکستان کو



اپنے مسکن کے طور پر چنا اور کراچی منتقل ہو گئے۔ انہوں نے 1963 ء میں جامعہ کراچی سے سوشیالوجی میں ایم اے کیا۔ پھر 1966 ء میں یہیں سے اسلامیات میں ایم اے کیا۔ زمانہ طالب علمی میں ہی منور حسن اپنی برجستگی اور شستہ تقریر میں معروف ہو گئے۔ کالج میگزین کے ایڈیٹر بھی رہے۔ علاوہ ازیں بیڈ منٹن کے ایک اچھے کھلاڑی بھی رہے۔ طلبہ کی بائیں بازو کی تنظیم نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن (NSF) میں شامل ہوئے، اور 1959 ء میں اس تنظیم کے صدر بن گئے۔ زندگی میں حقیقی تبدیلی اس وقت برپا ہوئی جب آپ نے اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے کارکنان کی سرگرمیوں کو قریب سے دیکھا اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں کا مطالعہ کیا۔ نتیجتاً آپ 1960 ء میں اسلامی جمعیت طلبہ میں شامل ہو گئے اور جلد ہی جامعہ کراچی یونٹ کے صدر اور مرکزی شوریٰ کے رکن بنا دیے گئے۔ بعد ازاں 1964 ء میں آپ اس کے مرکزی صدر (ناظم اعلیٰ) بنے اور مسلسل تین ٹرم کے لیے اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ ان کی عرصۂ نظامت میں جمعیت نے طلبہ مسائل، نظام تعلیم اور تعلیم نسواں کو درپیش مسائل کے سلسلے میں رائے عامہ کو بیدار کرنے کی خاطر کئی مہمات چلائیں۔ 1963 ء میں اسلامی ریسرچ اکیڈمی کراچی میں اسسٹنٹ کی حیثیت سے شامل ہوئے اور اس کے سیکرٹری جنرل کے عہدے تک ترقی کی۔ ان کی زیر قیادت اس اکیڈمی نے ستر (70) علمی کتابیں شائع کیں۔ ماہنامہ The criterion اور The Universal Message کی ادارت کے فرائض بھی سرانجام دیے۔ سید منور حسن 1967 ء میں جماعت اسلامی میں شامل ہوئے۔ جماعت اسلامی کراچی کے اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل، نائب امیر اور پھر امیر کی حیثیت سے ذمہ داریاں سرانجام دیں۔ جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ کے بھی رکن منتخب ہوئے۔ کئی فورمز پر جماعت اسلامی کی نمائندگی کی جیسے یونائیٹڈ ڈیموکریٹک فورم اور پاکستان نیشنل الائنس (پاکستان قومی اتحاد) وغیرہ۔ 1977 ء میں کراچی سے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا اور پاکستان میں سب سے زیادہ ووٹ لے کر اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1992 ء میں انہیں جماعت اسلامی پاکستان کا مرکزی اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل اور پھر 1993ء میں مرکزی سیکرٹری جنرل بنا دیا گیا۔

آپ متعدد د بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمینارز میں شرکت کر چکے ہیں۔ نیز ریاست ہائے متحدہ امریکا، کینیڈا، مشرق وسطی، جنوب مشرق اور جنوب مشرقی ایشیا کے کئی ممالک کے دورے کر چکے ہیں۔

حق گوئی کی مثال، امانت و دیانت کا نمونہ درویش منور حسن کی وفات دیانت، امانت، حق گوئی اور درویشی کی وفات ہے، وہ درویش وحق گو جسے اس کی درویشی اور حق گوئی نے عمر کی طرح تنہا کر دیا تھا اس لیے درویش منور کی وفات سے جماعت اسلامی و پاکستان نہیں بلکہ امت یتیم ہوگئی ہے۔

امت کا محافظ بنا PUBG کا Pro-Player

معاذ انور



تاریخ گواہ ہے جب بھی مسلم امت پر کوئی آزمائش آئی۔ جب بھی کفار اور دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کو اپنی سازشوں کے جال میں پھنسایا تو امت کے غیور نوجوان آگے بڑھے اور مظلوم و مجبور مسلمانوں کا سہارا بنے۔

پانچویں صدی ہجری کے آخری دور میں جب مسلمان آپس میں خانہ جنگی کا شکار ہوئے تو صلیبیوں اور یہودیوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا۔ تو انگلینڈ، اٹلی، جرمنی، فرانس سمیت کئی ممالک نے مل کر اپنی فوج بنائی۔ اور لاکھوں کی فوج لے کر مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ مسلمان بدترین شکست سے دوچار ہوئے۔ اس دور میں بڑے بڑے صلیبی گاڈفری، ریمون جیسے کمانڈروں نے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ فرانسیسی مورخ میشو لکھتا ہے کہ پہلی صلیبی جنگ کے دوران مسلمانوں کو اونچے اونچے مقامات سے نیچے گرا کر مار دیا۔ انہیں زندہ آگ میں جلایا گیا۔ فلسطین کے بازاروں میں انہیں جانوروں کی طرح گھسیٹا جاتا یہاں تک کہ ستر ہزار مسلمانوں کو بیت المقدس (اقصیٰ) میں شہید کر دیا گیا۔ مورخ لکھتا ہے۔ مسلمانوں کی ذلت اور ناکامی کے لیے اتنا بتانا کافی ہے کہ جب صلیبی بیت المقدس میں داخل ہوئے تو ان کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔ کئی سال تک امت مسلمہ اس ظلم کا شکار رہی۔ مسلمان مسجد اقصیٰ میں سجدوں کے لیے ترس گئے تھے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاکیزہ باہمت ترک نوجوان عماد الدین زنگی، اور صلاح الدین ایوبی کو اس مقصد کے لیے کھڑا کیا۔

پھر تاریخ گواہ ہے کہ نوجوان صلاح الدین ایوبی نے ان صلیبیوں کی ایسی ٹھکائی کی کہ آج تک صلیبی اور یہودی صلاح الدین ایوبی کے نام سے کانپتے ہیں۔ ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کیا اور وہاں کئی سالوں بعد مسجد اقصیٰ میں آذان دی گئی۔ مسلمانوں سجدے میں گر کر زاروقطار رونے لگے۔ نماز کے بعد ایوبی نے وہاں ایسا ایمان افروز درس دیا کہ مسلمان نوجوانوں کا خون کھول اٹھا۔ اور پھر وہ دن بھی آیا کہ مورخ لکھتا ہے ان نوجوانوں کا کفار پر اتنا رعب تھا۔ کہ جب بھی کوئی قلعہ فتح ہوتا تو صلیبیوں کو قیدی بنایا جاتا اور ایک رسی سے چالیس چالیس صلیبیوں کو باندھ کر ایک مسلمان نوجوان چالیس چالیس صلیبیوں پر مسلط ہوتا۔ اور کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس ایک مسلمان نوجوان پر ہاتھ تک اٹھا سکے۔

اس دور کی طرح آج بھی امت کو ایسے ہی باہمت نوجوان درکار ہیں۔ مگر اس بار کفر کامیاب ہوا۔ اور جدید دور میں ٹک ٹاک سے لے کر پبجی گیم تک ہر طرح کا جال پھینکا گیا۔ مسلمان نوجوان اس کے جال میں بری طرح پھنستے چلے گئے۔ کبھی جن نوجوانوں کا مشن میدان جنگ میں شہادت ہوا کرتا تھا آج اسی امت کے نوجوان ٹک ٹاک پر ناچتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور پبجی گیم کے diamond level اور Ace level تک پہنچنے کو اپنا زندگی کا سب سے بڑا مشن سمجھتے ہیں۔

جی ہاں میں اسی پبجی گیم کی بات کر رہا ہوں جس نے ہمارے نوجوانوں کی راتوں کی نیند چھین لی۔ پبجی گیم میں pro player بننے کی پاداش میں ان نوجوانوں نے ماؤں بہنوں کو خود بازار سے سامان لانے پر مجبور کردیا۔ بوڑھا باپ جو ساری زندگی اس اولاد کی خاطر کام کرتا رہا اس باپ نے اگر اولاد سے دوائی لانے کو کہا تو آگے سے اولاد کا جواب ملا کہ ابا جی مجھے بس گیم میں دو تین دشمن مارنے ہیں۔ پھر میں آپ کی دوائی لاؤں گا۔ باپ انتظار کرتا کرتا سو گیا مگر اس نوجوان کی گیم ختم نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گیم کا نشہ دماغ پر اس قدر سوار ہوا کہ اب نہ تو نیند آتی

ہے اور نہ ہی نمازوں کی کوئی فکر رہتی ہے۔ سارا سارا دن موبائل فون کی سکرین پر نظر جمائے گیم کھیلنے کے بعد یہی نوجوان بڑی خوشی سے اپنے دوستوں کو بتاتا ہے یار اب تمہارا بھائی pro player بن گیا ہے۔ بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ اب یہ نشہ جنون کی حد تک اس نوجوان پر سوار ہو جاتا ہیاور جب اس کے والدین اس جنون کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اسے پبجی گیم سے روکتے ہیں۔ اس سے موبائل چھین لیتے ہیں تو اس کا یہ نشہ اسے خودکشی تک پہنچا دیتا ہے۔ دن رات ایک کر کے اس نے پبجی گیم میں ایک لیول بنایا۔ اور جب گیم ان سے چھینی جاتی ہے تو یہ نوجوان سمجھتے ہیں جس گیم کے لیے اتنی محنت کی اس کے بغیر زندگی گزارنے کا کیا فائدہ۔ ایسی زندگی سے بہتر خودکشی کر کے مرجاو۔ اور پھر یہی نوجوان جو امت کا محافظ بنایا گیا تھا لمحہ بھر میں بوڑھے ماں باپ کو اکیلا چھوڑ کر،ماں کو اتنا بڑا صدمہ دے کر زلت کی موت مرگیا۔ میں اس پبجی گیم پر بات کیوں نہ کروں کہ جس نے ہمارے نوجوانوں کو کہاں سے کہاں لا کر کھڑا کر دیا۔جس گھر میں نوجوان صبح اٹھ کر قرآن کی تلاوت کی بجائے پبجی گیم کا ایک میچ لگانا ضروری سمجھتے ہوں اس گھر میں کہاں سے رحمت آئے۔ وہ بھی راتیں تھیں جب سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے نوجوانوں کے ساتھ مل کر راتوں کے اندھیرے میں صلیبیوں کے قلعوں پر منجنیقیں نصب کرتا اور صبح ہوتے ہی ان پر ایسی یلغار کرتا کہ ان کو گمان تک نہ ہوتا۔مگر یہ کیسی راتیں ہیں کہ اسی امت کے نوجوان ساری ساری رات پبجی کھیلنے میں گزار دیتے ہیں۔ آج پھر امت کو ایسے نواجوانوں کی ضرورت ہے جو راتوں کے اندھیروں میں جہاد کی پلاننگ کرتے ہوں۔ تو آیئے میرے ملت کے نوجوانوں آج پھر انہی صلیبی جنگوں کی یاد تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔ دشمن نے جو کرنا تھا کر لیا۔ اب ہم اپنی زمہ داریوں کو سمجھیں اور امت کٹی پھٹی امت کا سہارا بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ سے زیادہ اپنے دین کا کام لے لے۔ (آمین)۔

کشمیر لہو لہو

ام ابیہا صالح جتوئی

میں اپنے غم کی داستاں کہوں تو کس طرح کہوں   مجھے بتا اے آسماں میں کیا کروں میں کیا کروں

پاکستان کی شہ رگ جو کہ ہندو بنیے کے قبضے میں پچھلی کئی دہائیوں سے ظلم و بربریت کا نشانہ بن رہی ہے لاکھوں بے گناہ کشمیری ان گنت مظالم کا شکار ہو رہے ہیں کشمیریوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں لیکن انسانی عالمی حقوق کی تنظیمیں خواب خرگوش میں محو ہیں یورپین ممالک بالخصوص غیر مسلم ممالک میں ایک جانور بھی مرجائے تو یہ نام نہاد تنظیمیں ہاتھ میں موم بتیاں پکڑ کر سوگ منانے میں مصروف ہو جاتی ہیں لیکن ایک ایسی وادی جو کہ کئی دہائیوں سے ظلم وستم کا شکار ہو رہی ہے وہ کسی کو نظر نہیں آتا یہ تنظیمیں تمام انسانوں کے لئے بنی ہیں یا صرف غیر مسلموں اور جانوروں کے لئے؟؟؟؟؟معصوم کشمیریوں پر ڈھائے جانے والے مظالم بھارت کے جارحانہ حربوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ کشمیر جنت نظیر وادی جہاں پاک نفوذ عورتوں کی عصمت دری کی جاتی ہے تو کبھی معصوم بچے موت کی گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں......!!!!کہیں ماؤں کے لعل خون میں نہاتے ہیں تو کبھی قابل احترام بزرگ اپنی جان کی بازی ہار دیتے ہیں......"ہم روز بیان کرتے ہیں مصرعوں کے جال میں" "لفظوں کے ہیر پھیر میں امت کی سسکیاں" حال ہی میں ایک معصوم بچے کے ساتھ دودھ لینے کی غرض سے گھر سے نکلے ایک بزرگ کو بے دردی سے گولیاں مار کر شہید کر دیا گیا ننھے بچے کے سامنے اس کے دادا جان پر خون کی ہولی کھیلی گئی......!!!کیا گزری ہوگی اس ننھے سے دل پر جب وہ اپنے دادا جان کو ان ظالموں سے بچا نہ پایا ہوگا......!!!!کیا اگر یہی بچہ جب بڑا ہو کر ظالموں کے ظلم کو روکنے کے لئے بندوق کا سہارا لے گا تو اس کو دہشت گرد قرار دیا جائے گا؟؟؟واہ رے دھوکے باز دنیا کیا یہ ہے تیرا انصاف؟؟"ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کریں تو چرچا نہیں ہوتا"کشمیری آج بھی راہیں تک رہے ہیں کسی مسیحا کی......!! جو آ کر ان ظالموں کے ہاتھ کو روکے گا......!کسی ارطغرل غازی کی......!جو اپنی تلوار سے ظالموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا......!!!!ان مظالم کو روکنے کے لئے بہت سے نوجوانوں نے اپنی زندگیاں قربان کیں اور کتابیں قلم چھوڑ کر معسکر کا رخ کیا تاکہ بھارتی وحشیوں کے مظالم کو روک سکیں بہت سے پی ایچ ڈی اسکالرز بھی اس مقدس جدوجہد میں شہادت کے رتبے کو پاگئے اور بہت سے ایسے ہیں جو اسکو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دن رات تگ و دو میں ہیں۔بطور پاکستان کی شہہ رگ کے پاکستان کی زمہ داری ہے مظلوموں کی آواز کو سن کر خاموش نہ بن جائے بلکہ ان کے مظالم کم کرنے کے لئے انٹرنیشنل لیول تک کاوشوں کو تیز تر کرے تاکہ معصوم کشمیریوں کا بہتا لہو رک سکے اور ظالم درندوں سے کشمیریوں کو چھٹکارا مل سکے۔کشمیر کی آزادی کے لئے بہایا گیا خون کا ایک ایک قطرہ رنگ لائے گا اور شہداء کی قربانیوں کا ثمر کشمیر کی آزادی کی صورت میں ملے گا۔ان شاءاللہ



کامیاب زندگی کا حصول

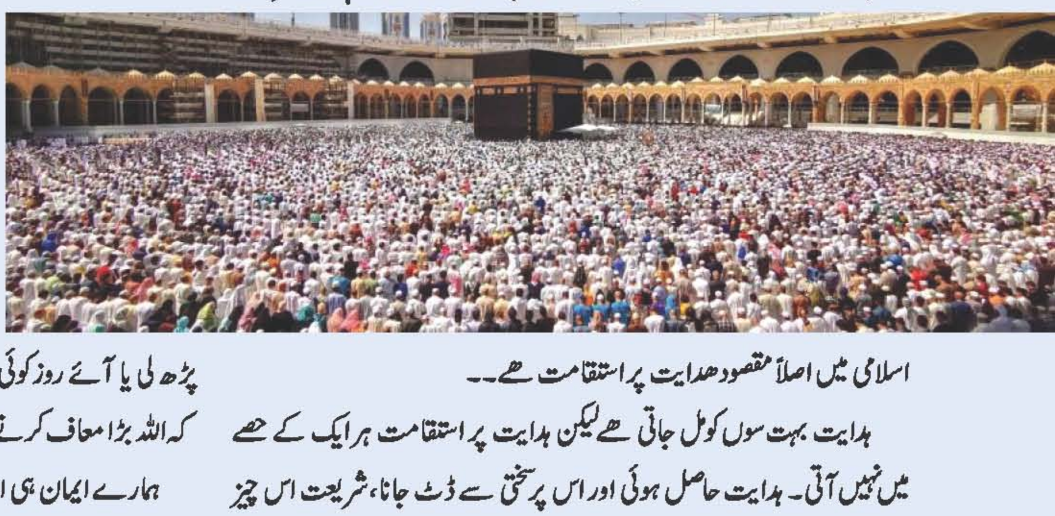
مگر کیسے؟؟؟

محمد عبداللہ اکبر

اس دنیائے ہست و بود میں کامیاب انسان وہی سمجھا جاتا ہے جو کسی کام کے آغاز کے بعد اس پر دوام حاصل کرتا ہے، اور دنیا بھی ایسے ہی لوگوں کو فالو کرتی ہے۔ جبکہ کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے بغیر کسی کام کو ادھورا چھوڑ دینے والے کو یہ دنیا بہت پیچھے چھوڑ جاتی ھے۔ لہٰذا کسی بھی شخص کو اس دنیا میں اپنا لوہا منوانے کے لئے، خود کو کامیاب ترین شخص کہلوانے کے لئے مستقل مزاجی کی عادت کو اپنانا ہوتا ہے۔۔!!

یہ دنیا جو فانی ہے اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اتنا سخت اصول اپنانا ہوتا ہے تو ھم کیسے یہ تصور کر سکتے ھیں کہ جہاں ہیشگی کی زندگی ھوگی اس کی تیاری میں ہم بغیر مستقل مزاجی اختیار کیے ہی کامیاب ھو جائیں گے۔

لا شک کہ ہدایت جیسی عظیم نعمت جس کے حصے میں آجائے اس جیسی خوش نصیبی اور کہاں حاصل ہو لیکن صرف ہدایت کا مل جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ شریعت



اسلامی میں اصلاً مقصود ھدایت پر استقامت ھے۔۔

ہدایت بہت سوں کو مل جاتی ھے لیکن ہدایت پر استقامت ہر ایک کے حصے میں نہیں آتی۔ ہدایت حاصل ہوئی اور اس پر سختی سے ڈٹ جانا، شریعت اس چیز کی متقاضی ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

((فاستقم كما امرت و من تاب معك))

" اپ ثابت قدم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ھے اور وہ بھی جس نے آپکی معیت میں رجوع الی اللہ کو اختیار کیا"

اسی طرح بار ہا رسول اقدس ﷺ بھی تاکید فرمایا کرتے تھے جیسا کہ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب لوگ سونا و چاندی کو ذخیرہ کر رہے ہوں تو تم ان کو کلمات کو ذخیرہ کرنا ((اللهم انی اسئلك الثبات فی الامر والعزيمة على الرشد))

"یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں دین پر ثابت قدمی کا اور بھلائی پر پختگی کا۔"

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ سیدنا سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کے استفسار پر جناب محمد کریم ﷺ نے انہیں ایک اللہ پر ایمان لانے اور اس پر ڈٹ جانے کا حکم دیا۔

آیات اور احادیث سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ دین پر سختی سے ڈٹ جانا ہی اصل کامیابی کا ذریعہ ھے۔ جب دین پر استقامت اختیار کرنے کا ارادہ کرلیا تو پھر اس چیز کی قطعاً گنجائش نہیں کہ دن میں ایک آدھی نماز پڑھ لی یا آئے روز کوئی نا کوئی نماز چھوڑ دی جائے اور دلیل میں یہ پیش کیا جائے کہ اللہ بڑا معاف کرنے والا ھے، بڑا غفور رحیم ہے۔

ہمارے ایمان ہی اتنے پختہ ہیں کہ برادری کو وجہ بنا کے ہم دین پر قائم نہیں

رہ سکتے، ہمارے ذہنوں میں ایک بات رچ بس گئی ہے، بہت معذرت کے ساتھ ہم نے اسی بات کو خدا بنا لیا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟

ہم دین کے اصولوں کو اپنی عملی زندگی پر لاگو کرنا چاہتے ہیں لیکن برادری، معاشرہ ہماری راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔

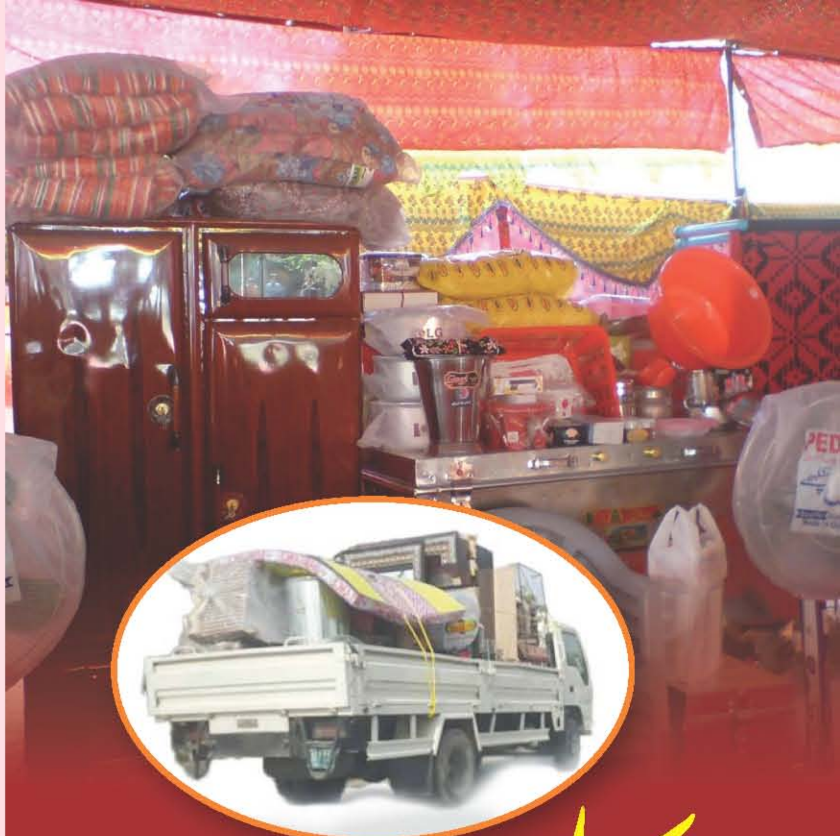
ایک طرف ہمارا ایمان ہے اور ایک طرف ان لوگوں کا ایمان ہے کہ جن کے بارے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:-

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے پہلے لوگوں کا حال یہ تھا کہ ایک آدمی کو پکڑا جاتا، زمین میں گاڑا جاتا، آرا چلایا جاتا اور اس کے سر پر رکھ کر چیر دیا جاتا، لوہے کی کنگھیوں سے اس کے گوشت اور ہڈیوں کو نوچا جاتا۔ لیکن یہ چیزیں بھی ان کے ایمان کو ڈگمگا نا سکیں۔

اسلام ایسی ہی استقامت کا تقاضا کرتا ہے کہ کسی بھی تنگی، مصیبت کو دیکھ کر دین اسلام سے پیچھے نا ہٹا جائے بلکہ دوام اختیار کیا جائے۔

استقامت حاصل کرنے میں اگرچہ بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ کوئی آسان فعل نہیں ہے اور یہ رب تعالیٰ کی اعانت و نصرت کے بغیر ممکن نہیں ہے لیکن ان میں ہمیں خود بھی آہستہ آہستہ کوشش کرنی چاہیے۔

نفس امارہ کو نفس مطمئنہ میں بدلنے کے لئے بہت لمبا سفر کرنا پڑتا ہے، بہت محنتیں درکار ہوتی ہیں لیکن ہمیں گھبرانا نہیں ہے بلکہ جس چیز کو ایک دفعہ اختیار کر لیا اس پر ڈٹ جانا ہے اور پھر اللہ کریم ہمارے لئے رستے کھولتا جائے گا اور پھر نعیم سرمدی میں ان شاءاللہ کامیابی ہمارا مقدر ہوگی اور انعام میں ہمیں جنت الفردوس عطا کی جائے گی اور اس کامیابی کا اصل انعام دیدارِ الٰہی کی صورت میں دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ



کیا جہیز ایک لعنت ہے؟

سعدیہ خورشید

ہمارے معاشرے میں ایک بڑا معروف جملہ ھے کہ "جہیز ایک لعنت ھے" شریعت میں اسکی اجازت نہیں ہے لہذا جہیز نہیں دینا لینا چاہیے۔۔

لیکن اس بات کی دلیل کہ جہیز کی ممانعت کسی حدیث میں آئی ہے؟؟؟؟؟

دوسری بات یہ ہے کہ اگر جہیز نہیں دیا جائے گا تو ظاھری سی بات ھے گھریلو زندگی میں بہت سی چیزیں بہت ضروری ھوتی ھیں جن کے بغیر اس جدید دور میں گزارہ نہیں ہے وہ کہاں سے آئیں گی۔۔۔؟؟ جواب یہی ہے کہ جو لڑکا بیاہ کے لے جا رہا ہے پھر وہی سب کچھ بنائے گا۔۔۔!!!

اگر اس بات کو لیا جائے کہ لڑکا ہی جہیز میں سب کچھ بنائے گا تو سب سے پہلے وہ کہیں نوکری تلاش کرے اور پھر بینک بیلنس بنائے یا بہت سارا روپیہ پیسہ جوڑے شادی کے انتظامات کرے بری بنائے، لڑکی کے لئے سونا بنائے اور پھر اس کے بعد شادی کے بعد رہنے کے لئے فرنیچر ہومشینری اور دیگر چیزیں۔۔۔

لیکن اگر کوئی یہ نا بنا سکے یا شادی کرنے کے لئے ان سب اصولوں پہ پورا اترنے کی کوشش کرے تو اسکی عمر تو اسی کام میں گزر جائے گی۔۔۔ شادی کب ھوگی؟؟

جہاں تک مسئلہ یہ ھے کہ لڑکی کے والدین کے لئے یہ بہت سنگین مسئلہ اختیار کر جاتا ھے کہ بعض لوگ اتنی استطاعت نہیں رکھتے کہ وہ اپنی بیٹی کو جہیز دے سکیں یا آپکی لسٹوں کے مطابق سب کچھ دے سکیں جس وجہ سے کئی لڑکیاں گھر بیٹھے بوڑھی ھو جاتی ھیں۔۔۔۔

جہیز نا لینے دینے کے نعرے مار لینا ہی کافی نہیں ھے بلکہ اس کے لئے وہ سب رواج ختم کرنے کی ضرورت ھے جو کہ ایک بڑا مشہور ھے کہ لڑکے والے جہیز کے نام پہ لسٹیں دے کر بھیک مانگتے ھیں یا ہر فنکشن پہ سسرال والوں کو طرح طرح کے جوڑے، شال، جرسیاں جیکٹس جو بھی ھوتا ھے اصل میں تو یہ رواج ختم کرنے کی ضرورت ھے لڑکے کی ماں کو، بہنوں کو سونا پہنایا جا رہا ھے۔۔۔ یہ سب کس وجہ سے ھے؟؟ غریب باپ کی تو یہ سب کرتے میں کمر ٹوٹ گئی اور آپ ھیں کہ خوش ھونے کا نام نہیں لے رہے۔۔

جہیز ایک لعنت ھے
کہے جا رہے ھیں، لئے جا رہے ھیں

کوئی بھی نہیں چاہتا کہ اسکی بیٹی اسکے گھر سے خالی ہاتھ جائے، وہ اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نا کچھ دے کے ہی بھیجنا چاھتا ھے لہٰذا جو وہ اپنی استطاعت کے مطابق، ساری عمر کی جمع پونجی کو لوٹا کے اپنی بیٹی کو دے دے اسی پہ راضی رہنا سیکھیے۔۔۔!!

بات یہ ہے کہ دنیاوی کاموں میں اباحت ہے لہٰذا ایسے مسائل کو بلا سوچے سمجھے نا اچھالا کریں۔۔۔

اگر آپ نے آواز اٹھانی ہی ھے تو لسٹس اور ایسے بڑے بڑے مطالبات کے خلاف اٹھائیے اور اس پہ سب سے پہلے خود عملدرآمد کیجئے۔۔۔۔ صرف جہیز ایک لعنت ھے یہ نعرے مار لینا کافی نہیں ھے!!!



خوش رہنا ایک فن ہے......

اسے سیکھیے...!!!

جویریہ بتول

قارئین...!!!

دنیا کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت دل کی خوشی بھی ہے۔۔۔۔

دل خوش ہوتا ہے تو استقرار، سکون، ذہنی ثبات، روحانی مسرت و شادمانی ملتی ہے۔۔۔!!!!

جدت و اختراع کی صلاحیت ابھرتی ہے۔۔۔

لیکن یہ یاد رکھنا پڑے گا کہ خوش رہنا ایک فن ہے آپ اسے سیکھیں گے تو خوش رہ سکیں گے۔۔۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمیں خوش تو اس دنیا میں رہنا ہے۔۔۔اس کے لیئے ہم سرگرداں رہتے ہیں۔۔۔

کیونکہ ان شآء اللہ اپنے اعمال کی بدولت جنت میں پہنچ گئے تو وہاں تو فکر و اندیشوں کا کوئی ڈر اور تصور بھی نہیں ہوگا۔۔۔

تو کامیاب ہم تبھی کہلائیں گے جب یہاں خوش رہنے کے فن سے آشنا ہو جائیں گے!!!

اس سلسلے میں یہ جانیئے کہ سفر زندگی طے کرتے ہوئے انسان کو نشیب بھی دیکھنے پڑتے ہیں،

فراز بھی۔۔۔ خیر خواہ بھی ملتے ہیں۔۔۔

رکاوٹیں کھڑی کرنے والے حاسد بھی۔۔۔

آپ کامیابی کی طرف قدم بڑھانا چاہیں گے تو کئی ہمدردی کے روپ میں راہ کے روڑے بن جانے کی کوشش کریں گے لیکن اگر ہمارے اندر قوت برداشت ہوگی، دل مضبوط ہوگا

چھوٹی چھوٹی باتوں پر مضطرب نہیں ہوں گے۔۔۔!!!!

تو راہ کی سب پریشانیاں اور بحران سمٹتے چلے جائیں گے۔۔۔

کیونکہ انسان جب موت کا عادی ہو جائے اسے یقین ہو جائے کہ میری زندگی، میرا نصیب مجھے مل کر رہے گا۔۔۔

میری موت کا وقت مقرر ہے تو وہ کبھی مصائب سے دلبرداشتہ نہیں ہوگا۔۔۔

وہ خوشی کو کسی قیمت پر فروخت کرنے پہ آمادہ نہیں ہوگا۔۔۔!!!!!

کیونکہ خوشی تب رخصت ہو جاتی ہے جب ہمارا ذہن تنگ ہو جاتا ہے۔۔۔

بس اپنے آپ کو ہی دیکھنا۔۔۔

اپنا ہی فائدہ سوچنا۔۔۔

ساری کائنات کو خود میں ہی محصور سمجھنا۔۔۔۔

اور کسی کی پرواہ نہ کرنا۔۔۔

کیونکہ ہماری زندگی کا مقصد یہ بھی ہے کہ کبھی اپنی ذات سے نکل کر بھی کچھ سوچیں۔۔۔اپنے خول سے باہر آ کر

کسی کے ساتھ کچھ خوشی والا معاملہ کریں۔۔۔!!!!!

خوشیاں بانٹنے سے ملتی ہیں۔۔۔

زندگی میں اپنی فکر کو کبھی بے لگام نہ چھوڑیں کیونکہ اگر ایسا ہوا تو آپ ماضی کی فائل میں جیتے رہیں گے۔۔۔

اپنوں کے دیئے گئے دکھ، کرب، رکاوٹیں، پریشانیاں ہی سوچتے رہیں گے۔۔

تفکرات کے غلبے تلے دب جائیں گے۔۔۔

ذہن بٹ جائے گا۔۔۔!!!!!!!

جب آپ صرف اپنے آج پر نظر رکھیں گے۔۔۔آگے بڑھنے کی منصوبہ بندی کریں گے تو آپ خوشیوں کے حصار میں رہیں گے۔۔۔۔

امید کے چراغوں کے سنگ ٹمٹمائیں گے۔۔۔۔جھلملائیں گے۔۔۔۔!!!!

اپنے ہدف پر نظر ہوگی۔۔۔

ایسا نہ کرنے والے کے سامنے بس زخم خوردہ ماضی۔۔۔۔

اندیشہ ناک مستقبل جلتا بجھتا رہے گا۔۔۔!!!!!

احساسات کو ٹھیس پہنچے گی۔۔۔۔ہم کسی کے دیئے گئے دکھوں کو ہی روتے رہیں گے۔۔۔۔

جذبات مجروح ہو جائیں گے۔۔۔

تو ہم ہل کر۔۔۔۔بکھر کر رہ جائیں گے۔۔۔۔!!!!!

چونکہ خوشی کا تعلق آپ کی نفسیات سے ہے۔۔۔

یہ اندر کی کیفیت کا نام ہے۔۔۔!!!

اس سلسلے میں خود کو حسد کی بیماری سے بھی دور رکھنا پڑتا ہے۔۔۔۔۔تب جا کر آنگن میں خوشیاں اٹھکیلیاں کرتی ہیں۔۔۔۔۔

خوشگوار لمحات منڈلاتے ہیں۔۔۔!!!!!

دل کو سکون ملتا اور دماغ کی سوچنے کی صلاحیت مثبت رخ پر محوِ پرواز ہوتی ہے۔۔۔!!!!!

خوشی کے اصول میں یہ بھی شامل ہے کہ اس دنیا کو اتنی ہی اہمیت دیجیئے جتنی اہمیت کی یہ حامل ہے۔۔۔۔

یہاں اک پل خوشی آئے گی تو کیا خبر اگلا لمحہ کیا رنج لائے گا۔۔۔۔

مگر سب کو تقدیر سمجھ کر سامنا کرنے کی صلاحیت پیدا کیجیئے۔۔۔۔

اپنی خوشی کو کسی شخص، چیز وغیرہ کے ساتھ وابستہ نہ کیجیئے کیونکہ ایسا کرنے سے اس چیز کی رخصتی کے ساتھ ہی خوشی بھی رخصت ہو جائے گی۔۔۔۔اور یہ خوش رہنے کا اصول نہیں۔۔۔

یہ بات بھی سچ ہے کہ بلکل یہ غموں کا خاتمہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔۔۔

کچھ غم زندگی میں پیوست ہو کر رہ جاتے ہیں

مگر اس دنیا کی فطرت اور حقیقت کو سمجھنا بھی تو ہمارا کام ہے ناں۔۔۔؟

جب کبھی اکتاہٹ محسوس کرنے لگیں تو گھر کے لوگوں سے گپ شپ کریں۔۔۔۔والدین کی مجلس کریں۔۔۔۔

کسی خوشگوار جگہ چلے جائیں اور ذہن پر سوار غم کی کیفیت کو کم کرنے کی کوشش کریں۔۔۔



یا دماغی سکون کے لیئے سو جائیں۔۔۔۔

ایک ہی ڈھرے پر نہ چلتے چلے جائیں۔۔۔

کائنات کے ذرے ذرے میں تغیر ہے۔۔۔۔

عبادت کو ہی لے لیں۔۔آپ ان میں ایک تنوع اور جدت پائیں گے۔۔۔

کچھ اعمال قلبی ہیں، کچھ عملی۔۔۔

کچھ مالی۔۔

تو اپنی زندگی میں خوشیاں کشید نے کے لیئے مختلف سرگرمیوں کو اپنایئے۔۔۔

لوگوں سے ملیئے۔۔۔۔

مطالعہ کیجیئے۔۔۔۔

کسی بیمار کی عیادت کیجیے۔۔۔

کسی کو مال دیجیئے۔۔۔۔

کسی کی مشکل آسان کرنے کی کوشش کیجیئے۔۔۔۔!!!!!!

ذکر الٰہی کو لازم پکڑیئے کہ وہ دلوں کا سکون ہے اہل ایمان کے لیئے۔۔۔

سجدے میں چلے جائیں اور راز و نیاز اپنے پروردگار کے سامنے رکھ کر مدد اور ہمت کا سوال کریں۔۔۔۔

خوشی کے لمحے از خود لوٹ آئیں گے۔۔۔!!!

کسی کے بارے میں فضول میں نہ سوچتے رہیں۔۔۔۔

فلاں کے پاس کیا ہے، کیا نہیں؟
فلاں نے یہ کیا، کیوں کیا۔۔؟
فلاں کے پاس وہ ہے۔۔۔میرے پاس نہیں۔۔۔۔؟؟؟؟
تو یہ ساری چیزیں اور سوچیں خوشیاں خرید لے جاتی ہیں۔۔۔۔
اور ہم اتنے ارزاں نرخوں پر اپنی زندگی کا آکسیجن فروخت کر کے تہی دست ہو جاتے ہیں۔۔۔
اضطراب کے اندھیروں میں۔۔۔۔
بے چینی کے تھپیڑوں میں۔۔۔۔
خوشی کے اسباب ہمارے اندر رہتے ہیں۔۔۔
مگر ہم انہیں تلاشتے نہیں۔۔۔۔
دوسروں کو موردالزام ٹھہراتے ہیں
اور ہماری ناکامی اور پریشانی کے اسباب بھی ہمارے اندر ہوتے ہیں مگر ہم ان کی وجہ بھی ہمیشہ دوسروں کو قرار دیتے ہیں۔۔۔!!!!
زندگی میں چار چیزوں سے اپنا دامن بچا کر رکھیں۔۔۔۔
1) تقدیر سے گلہ۔
2) معاصی کی لت میں مبتلا ہونا
3) حسد کی عادت۔
4) ذکر الٰہی سے اعراض۔
یہ چاروں چیزوں آپ کی خوشی کی دشمن ہیں۔۔۔
ہمیشہ مثبت سوچتے رہیں کہ
یہ چیز خوشی کو جنم دیتی ہے اور خوش رہنا آپ کی مثبت قوتوں میں اضافہ کرتا ہے۔۔۔کہا جاتا ہے ناں کہ
"Happiness always gives you positive energies..."
زندگی میں جو آیا وہ بھی ہمارے خالق کا فیصلہ تھا۔۔۔۔
جو گیا وہ بھی اسی کی رضا۔۔۔۔
اور ہمارا یقین ہو کہ وہ سب سے بہتر فیصلے کرنے والا ہے۔۔۔۔!!!!!!
مسکراتے رہیں۔۔۔۔خوش رہیں۔۔۔۔
کہ یہی زندگی کی کامیابی اور آگے بڑھنے کا اصول ہے۔۔۔ورنہ۔۔۔۔
یہ زندگی بوجھ لگتی ہے۔۔۔۔
طوق سی محسوس ہوتی ہے۔۔۔۔

اور ہم نے آزادی و خوشی کے ساتھ جینا ہے ناں۔۔۔۔؟
کیونکہ ہمارا رنج۔۔۔۔
خوشی کی رخصتی۔۔۔۔
ہمارے حاسدین اور دشمنوں کے لیئے شادمانی بن جاتی ہے۔۔۔۔
اور ہم نے ہر بلا سے لڑنا ہے۔۔۔۔
کیوں ناں۔۔۔۔؟
ایسا ہی ہے ناں۔۔۔۔!!!!
تو پھر آیئے
تیار ہو جائیں خوش رہنے کے لیئے۔۔۔۔
اپنے آپ سے۔۔۔۔
اپنے اردگرد سے۔۔۔۔
اپنے چاہنے والوں کے درمیان۔۔۔۔
اپنے ناقدین کے سامنے۔۔۔۔!!!!!!!
ایک عربی شاعر کہتا ہے:
ترجمہ: "میں اپنے حاسدوں کے سامنے بھی سخت صبر کا مظاہرہ کرتا ہوں تا کہ یہ جتا دوں کہ میں گھبرایا نہیں۔۔۔۔"
" کتنے لوگوں نے میرے شر کی تمنا کی مگر ان کی تمنا پوری نہ ہوئی۔۔۔۔"
خوش رہنے کے فن کو سیکھ کر ہم ان لوگوں کو یہ پیغام دے سکتے ہیں جو ہمیں زندگی میں ناکام دیکھنا چاہتے ہوں کہ:
"تم جب بھی ہمیں ملو، آنکھیں میچ کر ملنا پڑے۔۔۔ہمارے فن کو کبھی شکست نہ ہو۔۔۔"!!!!!
<دن گزریں زندگی کے،
سدا اس فن کے سنگ۔۔۔۔
ہر رنج پاش پاش ہو۔۔۔
کبھی نہ لحہ یاس ہو۔۔۔۔
خوشیوں کا سمندر پاس ہو
خالق سے اپنے آس ہو۔۔۔
میں جیوں بھی۔۔۔
تو اس فن کے سنگ۔۔۔۔!!!
میں مروں بھی۔۔۔۔
تو اس فن کے سنگ۔۔۔۔آمین!!!



اک شمع جلا ایسی

عشاء نعیم

کسی بھی معاشرے میں جیسا کہ کہا جاتا ہے نوجوان ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں تو اس نوجوان نسل سے مراد صرف لڑکے ہی نہیں بلکہ لڑکیاں بھی ہیں۔ آج کے دور میں کسی بھی معاشرے میں لڑکی کا کردار انتہائی اہم ہے۔ لیکن ہمارے ہاں بدقسمتی سے بیٹی کا کردار محدود سمجھا جاتا ہے اور بیٹے کا کردار اہم۔ سچ تو یہ ہے کہ معاشرے کی اصل روح بیٹی ہے۔

بیٹی۔رحمت،اور خوشی کا دوسرا نام ہے تو یہی بیٹی ہے جسے پا کر ان جانے خوف میں بھی گھر جاتے ہیں۔

اس خوف کی وجہ دنیا بھی اور بیٹی کا دنیا سے انجان ہونا بھی ہوتا ہے۔

والدین کا یہ خوف بہادر اور باشعور بیٹیاں جوں جوں بڑی ہوتی ہیں اتار دیتی ہیں اور والدین خوشی وسکون محسوس کرتے ہیں۔ لیکن بھولی بھالی اور دنیا سے انجان بیٹیاں جب اس دنیا کے مکروفریب اور داؤ پیچ کو نہیں سمجھ پاتیں، جب وہ نہیں جان پاتیں کہ اصل زندگی ہے کیا اور وہ ہر چمکتی چیز سونا سمجھ لیتی ہیں یا ہر میٹھا بول خلوص سمجھ لیتی ہیں تو یہی بیٹیاں ماں باپ کو کمزور کر دیتی ہیں۔ یہی بیٹیاں جو خوشی کا باعث ہوتی ہیں ماں باپ کیلئے درد اور دنیا کے لئے بوجھ بن جاتی ہیں۔

یہی بیٹی مثالی اور اعلی کردار پیش کر کے کئی بیٹیوں کے لئے راہیں کھول دیتی ہے اور یہی ایک بیٹی ذرا سی غلطی سے خود تو راہیں کھوتی ہی ہے لیکن کتنے ہی گھرانے اس ایک مثال کو لے کر اپنی بیٹیوں کو اندھیروں کی نظر کر دیتے ہیں۔

ہمارے اپنے گھر کی مثال ہے کہ میرے دادا ابو بیٹیوں کو پڑھانے کے شدید مخالف تھے۔ وجہ معاشرے کی قائم کردہ مثالیں، وہ چند ایک ناسمجھ لڑکیاں تھیں جو نادانی کر بیٹھی تھیں۔ میری پھوپھیاں اسی وجہ سے علم کی روشنی سے محروم رہیں، میرے بڑی بہنیں بھی سکول کا منہ نہ دیکھ پائیں۔ لیکن والدہ کو تعلیم سے بہت محبت تھی خود بھی تھوڑا سا پڑھی ہوئی تھیں لیکن بچوں کو اعلی تعلیم دلانے کا شوق تھا۔ اسی لیے ہر قسم کی رکاوٹ کو بالآخر عبور کرتے ہوئے مجھے سکول داخل کروادیا۔

گھر میں ہر وقت یہی سنا کہ پڑھائی لکھائی ٹھیک نہیں (ایک بہت بڑے گھر میں پورشن تھے دو تین فیملیز اکٹھی تھیں وہ سب باتیں کرتے تھے۔)

یہی وجہ ہے کہ جب مجھے سکول داخل کروایا گیا اور میں نے شعور کی سیڑھی پہ قدم رکھا تو اس قسم کی بات سے خوف کھانے لگی۔ پڑھائی کا جنون تھا اور کسی جھوٹی بات کے الزام سے بھی خوف زدہ رہتی۔ کسی لڑکی کی ذرا سی ایسی بات پتہ چلتی

دوستی ہی چھوڑ دیتی کہ کہیں اس کی وجہ سے مجھ پہ الزام نہ آ جائے یا میرا کردار نہ خراب ہو جائے۔

ایسی ویسی بات سے ہی نفرت ہو گئی۔

ہر وقت اپنی عزت اور ماں باپ کی عزت ملحوظ رہتی۔

الحمدللہ، اللہ کی رحمت سے جب میٹرک کیا تو دادا ابو نے فخر سے کہا مجھے پچھتاوا ہے کہ میں نے اپنی بیٹیوں کو نہیں پڑھایا۔ میری پوتی نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا۔

گریجویشن تک تعلیم حاصل کی اور الحمدللہ اپنے ماں باپ کو اتنا اعتماد دیا کہ بڑی آپیاں بھی پڑھنے لگیں۔

پھر پھوپھیوں کی بچیاں بھی سکولز جا پہنچیں۔

جب ایک لڑکی پڑھ لکھ جاتی ہے تو اس کی اولاد لازمی پڑھی لکھی ہوتی ہے جبکہ ایک پڑھے لکھے مرد کی اولاد لازمی پڑھی لکھی نہیں ہوتی۔

اس کا مطلب ہے ایک لڑکی کئی نسلوں تک اپنا کردار پہنچاتی ہے۔

یوں اک چراغ سے اگلا چراغ جلتا چلا گیا الحمدللہ۔

علم کے زیور سے آراستہ ہونے کی بنا پر شرک و واحدانیت کا فرق سمجھ آیا، دین کی سوجھ بوجھ پختہ ہوئی تو الحمدللہ واحدانیت کو اپنایا جس سے اسی طرح روشنی بڑھی جس طرح تعلیم سے بڑھی تھی اور نہ صرف گھر میں ہر شخص موحد ہوتا چلا گیا بلکہ یہ روشنی بھی بڑھتی چلی گئی اور پھوپھیوں کے دلوں کو روشن کرتی چلی گئی۔

اس کا مطلب ہے بیٹی کا کردار بہت ہی اہم ہے۔ بیٹی، وہ فرد ہے جو اپنے کردار سے آپ کا سر فخر سے بلند تو کرتی ہی ہے کئی گھروں تک اس کے کردار کی خوشبو پہنچتی ہے جس سے وہ گھر بھی متاثر ہوتے ہیں اور اپنے کردار سے کئی گھروں کو اندھیروں میں ڈبو سکتی ہے۔

اس لیے اے بنت حوا!

تو اپنے کردار سے جنت، جہنم کا فیصلہ تو کرتی ہی ہے معاشرے میں بھی دیکھ لینا تم کیا کیا اثرات مرتب کر سکتی ہو۔

اگر پڑھتی ہو، جاب کرتی ہو یا سوشل میڈیا پہ ہو ہر جگہ جو کردار ادا کرو گی وہ کردار صرف تمہارا ذاتی نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اچھا یا برا وہ مثال بن جائے گا اور دیگر بیٹیوں کے لئے راہ متعین کر دے گا۔

سوشل میڈیا پہ بیٹھی ہو تو ان ہاتھوں کے استعمال سے پہلے کچھ حروف کو ملا کر جو لفظ بناتی ہو تو دھیان رکھنا یہ کس کو کیا لکھ رہی ہو۔ کہیں تمہارے ہاتھوں سے نکلے چند لفظ جو جملہ بن جاتے ہیں کسی کے گھر پر بم بن کر نہ گر جائیں، کسی کے



آشیانے کو آگ نہ لگا جائیں۔

کسی کی زندگی جہنم نہ بنا دیں۔ کسی کا چین نہ لے جائیں۔ تمہارے ماں باپ کا سر شرم سے نہ جھکا جائیں۔ تمہیں اندھیروں میں نہ لے جائیں۔

ماں باپ جو تمہارے ناز، نخرے اٹھاتے ہیں باپ دن بھر محنت کرتا ہے اور ماں گھر میں جس طرح محنت کرتی اور گھر کو سنبھالتی ہے تم پہ وہ دونوں اعتماد کرتے ہیں تم بھی اپنے کردار سے ان کی محبتوں اور محنتوں سے اس کا سر فخر سے بلند کر دو تو جنت کا ساماں بھی بنو۔

انھیں اپنے دیئے گئے اعتماد سے رسوا کر کے پچھتاوا نہ لگاؤ کہ کیوں اعتماد کیا۔

صرف ماں باپ ہی نہیں روتے معاشرے کے دیگر ماں باپ بھی خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور اس مثال کو لے کر بیٹیوں پہ اعتماد نہیں کرتے اور وہ اندھیروں کی نظر ہو جاتی ہیں۔ یعنی تمہارے کردار کی اک شمع سے جہاں کئی شمع جلتی ہیں وہیں اک غلط قدم اور اندھیرے میں قدم رکھ دینے سے کئی اور بھی اندھیروں کی نظر ہو جاتی ہیں۔ سو

ہر قدم پہ دھیان رکھنا
یوں ہی نہ نادان بننا
جلا کر چراغ روشنی کرنا
کہیں بھٹک کر نہ پشیمان ہونا



دُنیا میں عزت چاہتے ہو تو والدین کی خدمت کرو

ساجدہ بٹ

آج ہم بات کریں گے عزت و وقار کے بارے میں چونکہ ہر۔ انسان دنیا میں اپنا ایک مقام و مرتبہ چاہتا ہے انسان چاہتا ہے کہ لوگ اس سے پیار و محبت سے پیش آئیں اُسے اچھا جانیں مال و دولت سب کچھ ہمارے پاس ہو ہم سکون کی زندگی جییں ۔۔۔۔۔۔

آپ قارئین سوچیں گے یہ سب ایک ساتھ کیسے ممکن ہے؟؟؟؟؟

جی ہاں قارئین کرام۔۔۔۔۔۔۔

ذرا توجہ و دلچسپی سے اس تحریر کو پڑھیئے کہ ہمارے مذہب نے ہمیں ترقی کا راز کیا بتایا ہے جس پر چل کر ہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔۔

جی ہاں میرے عزیز ہم وطنو ترقی کا راز والدین کی خدمت میں ہے۔۔۔

دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس نے اپنے پیروکاروں کو والدین کی خدمت اور اطاعت گزاری کی تاکید نہ کی ہو۔۔

عیسائیت ہو یا یہودیت، ہندومت یا بدھ مت۔

ہر مذہب نے والدین کی تابعداری اور خدمت ضروری قرار دی ہے مگر اسلام کو دیگر مزاہب پر فوقیت حاصل ہے۔اس نے اپنی تعلیمات میں والدین کی صرف خدمت کی ہی تلقین نہیں کی۔ بلکہ احسان کی تاکید کی ہے اور احسان کا درجہ خدمت سے بڑھ کر ہے

سورہ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾

یعنی والدین کی صرف اتنی خدمت نہیں کرنی



جتنی انہوں نے کی بلکہ اتنی زائد ہو کہ وہ تمہارا احسان نظر آنے لگے۔۔۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کے بڑے بڑے فرائض احسان احترام، شکرگزاری اور دعائے خیر بیان کیے۔۔۔

سورۃ الاسرا میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔۔۔

اور تمہارے رب کا حکم ہے کہ تم صرف اس کی عبادت کرو اور ماں باپ سے احسان کرو،

اور ان کے سامنے نرمی اور رحم سے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو

اُنھیں اف تک نہ کہو اُنھیں نہ جھڑکو اور ان سے ادب سے گفتگو کرو

دیکھیں کس قدر خوبصورتی سے اسلام نے والدین سے حسن سلوک کی تاکید کی ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا۔۔۔

’’خدا کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے؟ فرمایا، وقت پر نماز پڑھنا، پوچھا پھر کون سا، فرمایا والدین سے حسن سلوک‘‘

سوچیں جب ہم اس قدر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کریں گے تو کیونکر نہ ترقی کریں گے،

کہتے ہیں مثال سے بات سمجھ آتی ہے تو چلیے مثال ہی سے بات کرتے ہیں ہم اگر اپنے اِرد گرد کے ماحول پر نظر ڈالیں تو بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔۔۔

ہمارے ہمسایوں میں جو فیملی رہتی ہیں اُن کے 6 بیٹے ہیں جن میں چار شادی ہیں گھروں میں اکثر لڑائی وغیرہ تو ہو ہی جاتی ہے لیکن یہاں میں بات صرف والدین

اور اولاد کے سلوک پر کروں گی۔۔۔

اُن کے بڑے بیٹے کی شادی ہوئی گھر میں ماں باپ بیوی کے درمیاں تلخ کلامی ہو بھی جاتی تو اُن کے بیٹے نے ماں باپ کی خدمت میں کوئی فرق نہیں آنے دیا کبھی پلٹ کے کسی بات کا غصے میں جواب نہیں دیا مسکرا کے والدین سے ملتے رہے۔۔۔پھر اُن کے بچے ہوئے الحمدللہ وہ بھی والدین کے فرمانبردار ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے کاروبار میں بہت بہت ترقی دی بہت جلد وہ ترقی کی کئی منازل تہ کرنے لگے گاؤں کے لوگ اُس لڑکے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں میرے والدین سمیت سب اُس کی بہت عزت کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔

آپ کے خیال میں اُس آدمی کو یہ سب کچھ کیوں ملا؟؟؟

آپ ذرا یہ سوچیے۔۔۔

اور میں بات کرتی ہوں اب اُن کے دیگر بیٹوں کے بارے میں تو جی ہاں قارئین کرام اُن کے باقی بیٹوں کی شادیاں ہوئی والدین میں سے کسی سے بیوی سے لڑائی جھگڑا ہو جاتا تو وہ بھائی پورا پورا والدین سے مقابلہ کرتے اُن سے ناراض ہو جاتے کھانا الگ بنانے لگے۔۔۔حلاں کے بڑے بھائی کی نسبت یہ سب ہنر مند تھے لیکن پھر بھی کاروبار میں کمزور ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ بس دو ٹائم روٹی کھانے کو با مشکل گزارا کرتے ہیں اُن میں سے کوئی گلی میں کبھی فضول کھڑا بھی ہو جائے تو محلے والے اچھا نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ایک ہی والدین کی اولاد ہونے کے باوجود اس طرح بچوں کے درمیان کیوں ہوا؟؟؟

یقینا والدین کی خدمت اور نافرمانی کی واضح مثال میرے عزیز قارئین کرام کی سمجھ میں ضرور آئی ہوگی۔۔۔۔

بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو نہ جانے کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہم نے بھی اس عمر میں آنا ہے ہم نے بھی کمزور جسم میں ڈھل جانا ہے اگر ہماری اولاد نے ہمارے ساتھ یہ سب رویہ اختیار کیا تو یقینا ہمیں بہت افسوس ہوگا۔۔۔

شہر میں آکر پڑھنے والے بھول گئے
کس کی ماں نے کتنا زیور بیچا تھا

تاریخی قلعہ نندنا

کا سفرنامہ

صدائے اسد: اسد عباس خان



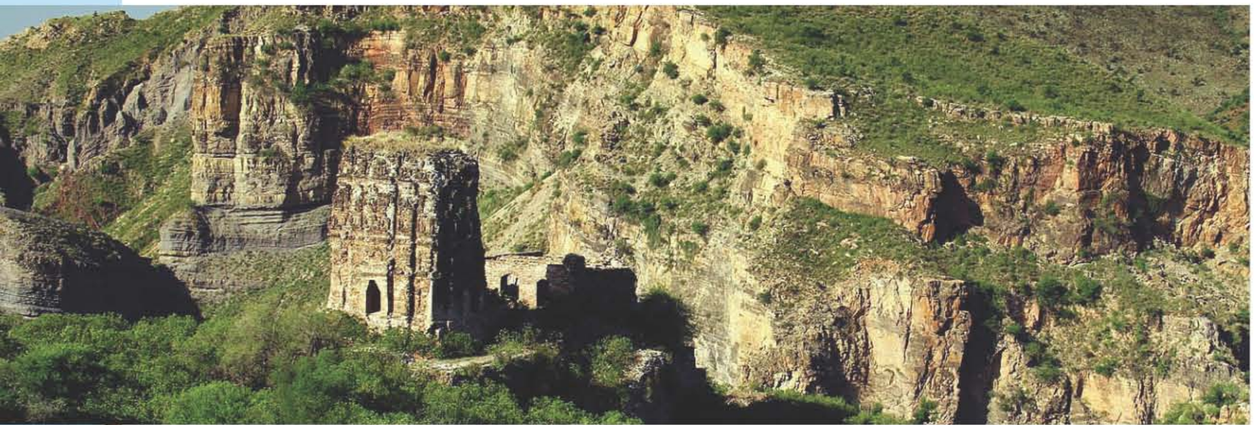
صدیوں پرانا تاریخی قلعہ نندنا پنڈ دادنخان سے 30 کلومیٹر دور باغانوالا گاؤں کے پاس پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے۔ ہم نے وہاں تک پہنچنے کے لیے نسبتاً لمبا راستہ چنا۔ جو جہلم پنڈ دادنخان روڈ سے براستہ پنن وال اور پھر کوٹلی پیراں سے ہوتا ہوا شمال کی جانب کوہستان نمک کے پہاڑی سلسلے کی جانب جاتا ہے۔ اس لمبے راستے کو چننے کا واحد مقصد کچھ دوستوں اور عزیزوں کو شامل سفر کرنا مقصود تھا۔ یہاں سے ہمارے اس سفر کے گائیڈ و میزبان محترم ندیم خان بھائی ہمارے ساتھ چلنے کو تیار تھے۔ ندیم بھائی نے ہماری ضیافت کا سامان موٹر سائیکل پر لادا اور ہمارے ساتھ ہی عازم سفر ہوئے۔ کوٹلی پیراں سے ہی مزید ایک موٹر سائیکل پر میثم شاہ صاحب بھی ہمارے ساتھ مل گئے یوں تین عدد موٹر سائیکلوں کا قافلہ بن گیا۔ کوٹلی پیراں کی گلیاں بارش کے بعد پانی سے بھری ہوئی تھیں۔ کیچڑ اور ٹوٹے ہوئے راستے پر موٹر سائیکل پھسل جانے کا بھی ڈر تھا۔ لیکن منزل کا دلکش خیال کسی ڈر پر غالب نہ آ سکا۔ اور سفر احتیاط کے ساتھ سنبھل سنبھل کر جاری رہا۔ کوٹلی کے بعد کوٹ عمر نسبتاً پرانا گاؤں ہے۔ وہاں بھی ٹوٹی پھوٹی گلیاں پانی سے لبریز تھیں اور وہی کیچڑ اور پھسلن ہمارے استقبال کے لیے منتظر۔ جوں ہی کوٹ عمر قصبے سے نکلے تو سامنے کارپٹ روڈ دیکھ کر حیرت کے ساتھ ہی بے انتہا خوشی ہوئی۔ ضلع جہلم میں پسماندگی کی علامت تحصیل پنڈ دادنخان کے عام سے گاؤں میں ایسی سڑک دیکھ کر اس کی تعمیر میں شریک ہر حصہ دار کے لیے دل سے دعا نکلی۔ موٹر سائیکل جو پہلے ہچکولے کھاتی ہوئی چیخو پکار کر رہی تھی یکایک اس کی بے ڈھنگی آواز میں بھی کمال کا سر آ گیا۔ خوبصورت کھیتوں کے بیچو بیچ کبھی سیدھی اور کبھی بل کھاتی پختہ سڑک سے آس پاس کا نظارہ خوبصورت ترین منظر پیش کر رہا تھا۔ یہ زرعی زمین بے حد زرخیز ہے۔ یہاں گندم، مکء، آلو، مٹر، اور سبزیاں کاشت کی جاتی ہیں جو یہاں کے گاؤں باسیوں کی آمدن کا اہم ذریعہ ہیں۔ کوٹ عمر سے تقریباً 3 کلومیٹر کے بعد دو راستے ہو جاتے ہیں ایک جنوب کی طرف ورنالی گاؤں کی طرف جبکہ دوسرا شمال میں باغانوالا کی طرف مڑ جاتا ہے۔ جو ہماری منزل تھا۔ علی الصبح ہونے والی بارش کے بعد موسم خوب سہانا ہو چکا تھا عین سامنے باغانوالا کے سرسبز و شاداب پہاڑ اور ہوا کے دوش پر اڑتی موٹر سائیکلوں پر دلکش نظارہ ناقابل یقین حد تک دل کو موہ لینے والا تھا۔ یوں چند کلومیٹر کا سفر پل بھر میں طے ہو گیا۔ اور ہم باغانوالا گاؤں میں پہنچ گئے۔ قلعے کی طرف جانے کا

راستہ گاؤں کے اندر سے ہی گزرتا ہے۔ اس گاؤں کے زیادہ تر گھر پرانے طرز تعمیر پر ہی بنے ہوئے ہیں۔ کچھ مکمل کچی مٹی سے بھی اور کچھ کشمیری و گلگتی طرز پر بڑے بڑے پتھروں کو جوڑ کر بنائے گئے ہیں۔ صدیوں پرانے اور تاریخی گاؤں کی گلیاں انتہائی تنگ ہیں جہاں سے موٹر سائیکل کا گزر بھی بمشکل ہی ہوتا ہے تنگ اور بل کھاتی گلیوں سے ہوتے جب ہم پہاڑ کی جانب نکلے تو سامنے حسین و دلکش نظارے دیکھ کر بے ساختہ سبحان اللہ کہے بغیر نہ رہ سکے۔ باغانوالا گاؤں سے ہمارے ساتھ ایک اور دوست میاں صاحب بھی اپنے موٹر سائیکل پر ہمراہی بن گئے یوں ہمارے ساتھ موٹر سائیکلوں کی تعداد چار ہوگئی۔ ندیم خان بھائی نے مشورہ دیا کہ موٹر سائیکل یہیں گاؤں میں کسی کے سپرد کر دیئے جائیں اور آگے کا سفر پیدل چل کر طے کیا جائے لیکن میثم شاہ صاحب موٹر سائیکل پر ہی جانے کو بضد تھے۔ جب انہیں قائل کرنے کی تمام کوششیں بے سود رہیں تو یہ جانتے اور دیکھتے ہوئے بھی کہ اب آگے پہاڑی علاقہ شروع ہو رہا ہے۔ جہاں پیدل چلنا بلکہ چڑھنا بھی دشوار ہے۔ ہم سب بھی جوش میں آ کر ایک بڑی غلطی کر بیٹھے جس کا ذکر آگے آ؟ گا یوں موٹر سائیکلوں پر ہی آگے کا سفر کرنا طے پایا۔

اب اس خطرناک ترین راستے پر سفر شروع ہوا تو بے جان موٹر سائیکل بھی معافی مانگنے پر آ گئے لیکن جب ابن آدم ضد پر آ جا؟ تو اسے کون روکے۔ کچھ منٹ کا سفر طے کرنے کے بعد سرپھروں پر یہ راز بھی فاش ہوا کہ پتھریلا ٹریک دشوار اور کٹھن راہ کے ساتھ چڑھائی پر جب موٹر سائیکل چلائیں تو اسے ہموار رکھنا انتہائی مہارت اور وقت طلب مشقت ہے۔

خیر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے پر ایمان پختہ رکھے اور سانسیں بند کیے ہوئے کہ کہیں سانس لینے سے جو حرکت پیدا ہو تو کہیں دو چکے کی سواری اپنا توازن ہی نہ کھو دے۔ یہ سفر جاری رہا۔

پانی کا ایک چشمہ اوپر پہاڑوں سے نکل کر باغانوالا کو سیراب کرتا ہے اس کا صاف شفاف بہتا ہوا پانی اس سرسبز وادی میں جنت کا سماں پیش کر رہا تھا۔ یہ چشمہ صدیوں سے مکمل خاموشی کے ساتھ مستقل چلنے کا عمل جاری رکھے ہوئے ہے۔ ہاں البتہ راستے میں کہیں کہیں جب اونچائی سے اس کا پانی نیچے گرتا ہے تو پرسکون ماحول میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور وادی کی خاموشی کا سکوت ٹوٹ جاتا ہے۔



سامنے ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر قلعہ نندنا کے دو ڈھانچے واضح دیکھے نظر آ رہے تھے۔

یہ قلعہ ہندوشاہی کے زمانے میں جے پال راجہ نے بنوایا تھا جبکہ نندنا کا شیو مندر جے پال کے بیٹے انند پال کی تعمیر ہے۔ 1114ء میں سلطان محمود غزنوی نے جب اس پر حملہ کر کے فتح کرلیا تو ابوریحان البیرونی نے اس قلعہ میں قیام کے دوران سائنسی تجربات کے لیے رصدگاہ بنائی اور زمین کا قطر ناپا البیرونی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "کتاب الہند" کا بیشتر حصہ یہیں بیٹھ کر لکھا۔ یہ وہی البیرونی ہیں جنہیں ہندوستان کے لوگوں نے "ودیا ساگر" یعنی علم کا سمندر کا لقب دیا۔ البتہ (بعض تاریخ دان ٹلہ جوگیاں بارے بھی یہی دعوی کرتے ہیں یہ بھی ضلع جہلم میں ہی موجود ہے)

سلطان محمود غزنوی کے بعد نندنا قلعہ تیرہوی صدی میں قمر الدین کرمانی حاکم کے قبضے میں آ گیا اس کے بعد جلال الدین خوارزم کے ایک جرنیل نے اسے اپنے قبضے میں لے لیا پھر چنگیز خان کے ایک افسر ترتی مغل نے یہ قلعہ فتح کرلیا بعد میں اس قلعہ کو التتمش نے فتح کیا۔ مغل بادشاہ بابر نے بھی اس قلعہ کو فتح کیا۔ اکبر بادشاہ نے یہاں ایک باغ لگایا تھا موجودہ گاؤں باغانوالا اسی باغ کے نام سے ہے جس کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ مندر کے سامنے ایک مسجد بھی موجود ہے جو کچھ مورخین کے مطابق سلطان محمود غزنوی جبکہ کچھ کے خیال میں التتمش دور کی ہے۔ اس قلعے کے شاندار ماضی اور اس پر بدلتے

حاکموں کو یاد کرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ انسان جتنا بھی طاقتور کیوں نہ ہو اس کی حیثیت اس فانی دنیا میں فقط مہمان سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ پتہ نہیں کیوں یہ زندہ حقیقت ہمارے حکمرانوں کی نظروں سے اوجھل کیوں ہے؟ شاید انسانی فطرت میں ہی دنیا کا لالچ طاقت کا گھمنڈ اور اختیارات کا نشہ اس چھوٹے سے نقطے پر بھاری ہو۔ خیر انہی خیالات کے سمندر میں ڈوبا ہوا سفر اس وقت تھم گیا



جب ایک مقام پر اچانک ندیم خان بھائی نے موٹر سائیکل روک دیا اور تقریبا حکم دیتے ہوئے بتایا کہ اسی جگہ پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ تاکہ کھانا پکانے کا کام نمٹایا جاسکے۔ ویسے موٹر سائیکلوں پر ہونے والی اچھل کود نے شکم میں بل ڈال دیئے تھے۔ سو ان کی بات من وعن تسلیم کرنے میں ہی راحت محسوس ہوئی اس وقت دوپہر ڈھل چکی تھی۔

چونکہ قلعہ نندنا دیکھنے کے اشتیاق میں صبح کا ناشتہ بھی بھول گئے تھے لہذا بھوک اگر جوبن پر نہ سہی لیکن کچھ کم بھی نہ تھی۔ کھانا بنانے کی تیاریاں شروع ہوئیں تو سب اپنی اپنی ذمہ داری میں جت گئے۔ چونکہ پڑاؤ چشمے کے عین قریب تھا لہذا پانی کی کوئی پریشانی نہ تھی۔ البتہ سرسبز جگہ سے لکڑی تلاشنا مشکل امر تھا۔ چونکہ میزبان ندیم خان بھائی تھے لہذا کھانا بنانے کی اصل ذمہ داری بھی انہیں کے ناتواں کندھوں پر تھی۔

باقی لوگ تو اپنے اپنے ذمہ کے کام نمٹا کر جلدی سے فارغ ہوگئے۔ اور گرمی کی شدت مٹانے کے لیے چشمہ پر موجود قدرتی تالاب میں گود گئے۔ جب چشمے کا ٹھنڈا پانی سردیوں کی یاد دلانے لگا تو باہر آنے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس سارے عمل میں دو گھنٹے کا وقت بیت گیا۔ کھانا تیار ہو چکا تھا اور دیسی مرغ کڑاہی کی دل موہ لینے والی خوش کن مہک سے یوں لگتا جیسے پوری وادی کی فضاء بھی معطر ہوگئی ہو۔ کھانے کی مہک اور بھوک سے برا حال اب مزید انتظار ناقابل برداشت تھا۔ جلدی جلدی سب قدرتی دستر خواں یعنی " کھلی زمین " پر براجمان ہوگئے اور کھانا سامنے تیار پڑا تھا۔ بسم اللہ پڑھتے ہی نان کڑاہی کے ساتھ خوب انصاف کیا نان آتے وقت ہی ساتھ لا؟ گئے تھے۔ کھانا کھاتے وقت اس بات کا عقدہ بھی کھلا کہ ندیم خان بھائی کھانا بنانے کے فن سے خوب آشنا اور کسی پیشہ ور طباخ کی طرح بہت اچھے ماہر ہیں۔ ماشاء اللہ ذائقہ ایسا کہ سب انگلیاں چاٹتے رہ گئے۔

جب کھانے سے فارغ ہوئے اس وقت تک عصر نصف گزر چکی تھی۔ اب اگلے سفر کی تیاری شروع ہوئی تو ندیم خان بھائی نے اس بات کا انکشاف کیا کہ اس مقام سے آگے موٹر سائیکلوں پر سفر ناممکن ہے۔ ہمیں پیدل جانا ہوگا۔ اور قلعہ تک پہنچنے کا راستہ پہاڑ کا پورا چکر کاٹ کر طے ہوگا جو پیدل چلنے پر ایک گھنٹے کی مسافت ہے۔

اب ہمیں اس غلطی کا احساس ہوا جو نیچے باغانوالا سے اوپر آتے وقت ہم سے سرزد ہوئی۔ یعنی موٹر سائیکل اب ہم پر وہ بوجھ بن گئے جو ہم اٹھانے سے قاصر تھے۔ اور اس ویرانے میں انہیں سپرد خدا چھوڑنا بھی بیوقوفی کے زمرے میں آتا تھا۔ اب قلعہ نندنا اور ہمارے درمیان موٹر سائیکل ٹانگ کا پھندہ بن گئے اور اس بات پر سب میسم شاہ کو گھورنے لگے۔ جبکہ وہ نظیریں چرائے پراعتماد آواز میں واپسی کا مشورہ بھی دے رہے تھے۔ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق چاروناچار ہمیں پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ سامان سمیٹا اور پھر بوجھل دل کے ساتھ واپسی کی راہ لی۔ پیچھے پلٹنے کا سفر بھی آسان نہ تھا جبلی پگڈنڈیوں پر سواری کی اترائی کبھی کبھار موت کے منہ میں جانے کے مترادف لگا۔

اللہ اللہ کرتے جب نسبتاً ہموار جگہ پر پہنچے تو چشمے کے صاف پانی سے شاہ صاحب کو بطور ڈنڈ تمام موٹر سائیکل سروس کرنے پڑے۔ اور باقی افراد ہواخوری، عکس بندی اور نندنا قلعے کو دور سے ہی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے میں مشغول ہوگئے۔ باغانوالا پہنچ کر ایک دوسرے کو اس وعدے کے ساتھ الوداع کیا کہ اگر زندگی نے وفا کی تو اگلی بار نندنا کا قلعہ ضرور مسخر کریں گے۔

MONTHLY ONLINE
#4 NOOR-E-BASEERAT
JULY - 2020